فہرست مطالب

اردو مقالات

مرتضیٰ خان میکشؔ احوال و آثار/ ڈاکٹر محمد غضنفر علی وڑائچ ۵

صوفی تبسم، ایک ہمہ جہت شاعر/ سید عنصر اظہر ۲۱

کلیاتِ مجید امجد کی تدوین اور ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا/ طارق حبیب ۳۵

آپ بیتی کا فن ـــــ ایک جائزہ/ ڈاکٹر ثمن زاہد ۵۳

کشمیر میں سکھ وڈوگرہ عہد میں ہونے والے مظالم کا مختصر جائزہ/ ڈاکٹر سردار اصغر اقبال، سردار ساجد محمود ۶۱

فارسی مقالات

معرفی و بررسی آثار مولانا خالد نقشبندی/ دکتر محمد ناصر، سعدیہ مشتاق ۷۳

احوال و آثار، ابجدی، محمد اسماعیل، سدۂ دواز دھم / دکتر امجد جاوید ۸۳

پنجابی مقالات

وارث شاہ دے صوفیانہ وچار/ ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد ۹۱

پنجابی نثر دی ٹورتے مستقبل/ ڈاکٹر ارشد اقبال ارشد ۱۱۳

عربی مقالہ

تلمیحات القرآنیة فی شعر إقبال / ڈاکٹر محمد افضل عابد ۱۲۳

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 36, Sr.No.98, 2015, pp 05 - 20

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۶، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۵ء، شمارہ ۹۸

مرتضیٰ خان میکشؔ احوال و آثار

پروفیسر ڈاکٹر محمد غضنفر علی وڑائچ ☆

Abstract:

Murtaza Ahmad Kahn was born in 1899. His forefathers came from Afghanistan and he belonged to Muhammad Zai Durrani tribe. They settled in a village near Jalandar, present day India. He is one of the heroes of our resent history. In this article a brief description of his life and work has been given and analyzed.

Key words: Murtaza Khan Maikash, Life, Works, Recent History of Muslim India, Analysis

صاحب ''فارسی گویان پاکستان'' جلد اول (گرامی تا عرفانی) کے مطابق:

''مرتضیٰ احمد خان بن مرید احمد خان کی ولادت غرہ محرم ۱۳۱۷ ہجری بمطابق ۱۳ مئی ۱۸۹۹ء کو ہوئی''۔ گویا شیر میسور سلطان ٹیپو کی شہادت کے ٹھیک ایک سو سال بعد ایک اور شیر پیدا ہو گیا جو انگریزوں کو للکارنے لگا۔ آپ کے اجداد میں ایک مشہور سردار گل محمد خان ہوئے ہیں۔ آپ کا تعلق افغانوں کے مشہور قبیلے محمد زئی دُرانی سے ہے۔ آپ کے بزرگ ۱۸۰۰ء میں افغانستان سے ہجرت کر کے برصغیر میں آئے اور جالندھر کے نواح میں ''بہدم'' نامی ایک چھوٹے سے گاؤں میں مقیم ہو گئے۔ سردار گل محمد خان کی اولاد و احفاد علم و فضل میں شہرت یافتہ تھی۔ بنا بریں انھوں نے نہ صرف اپنے سکونتی علاقے بلکہ اس کے گرد و نواح میں بھی علم کے پھیلانے میں بہت کوشش و کاوش سے کام لیا۔

☆ صدر شعبہ فارسی، گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور

میکشؔ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ میٹرک مشن ہائی سکول جالندھر (مشرقی پنجاب انڈیا) سے پاس کرنے کے بعد لاہور کے ایک کالج میں حصول تعلیم میں مصروف رہے۔ ۱۹۲۰ء میں علمائے کرام کی جانب سے ہندوستان کے دارالحرب قرار دیئے جانے پر ایک اسلامی ملک افغانستان کی طرف ہجرت کرنے والے دیگر ہزاروں افراد کی طرح میکشؔ بھی اپنی تعلیم نامکمل چھوڑ کر کابل (افغانستان) چلے گئے۔ اور وہاں آپ نے افغانستان کی آزادی کی جنگ ختم ہوجانے کے باوجود وزیرستان (موجودہ پاکستانی علاقہ) میں انگریزوں کے خلاف لڑنے والے جنگجو محسودی اور وزیری قبائل کے ساتھ مل کر انگریزوں کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ میں بنفس نفیس شرکت کی۔ آپ کابل سے اردو روزنامہ نکالنے کے خواہاں تھے۔ لیکن کابل کے ناموافق حالات کے باعث ہندوستان سے ہجرت کر کے افغانستان جانے والوں کی واپسی شروع ہونے پر آپ نے بھی اخبار نکالنے کا ارادہ ترک کر کے مکین (وزیرستان) سے افغانستان کی چھاؤنی ''خدمت'' کو لوٹ گئے اور وہاں سے خفیہ طور پر برطانوی ہند میں داخل ہوئے اور بنوں موجودہ صوبہ سرحد کا ایک شہر کے راستے لاہور پہنچ گئے۔

۱۹۲۱ء میں آپ کے والد گرامی کے اس جہان فانی سے جہان باقی کی طرف کوچ کر جانے کے سبب آپ کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ان مشکلات کے ازالے کے لیے آپ نے ''روزنامہ زمیندار'' میں بیس روپے ماہوار مشاہرے پر بطور مترجم اپنی صحافتی زندگی کا آغاز کیا اور اپنی محنت لیاقت اور فطری صلاحیتوں کے باعث جلد ہی دوسرے صحافی کارکنوں پر سبقت لے گئے۔

''روزنامہ زمیندار'' کے مالی مشکلات کا شکار ہوجانے پر یکم اپریل ۱۹۲۷ء کو جب غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک نے ''روزنامہ انقلاب'' کا اجرا کیا تو آپ بھی اس نئے اخبار سے وابستہ ہوگئے۔ اور اسی ''روزنامہ انقلاب'' میں انھوں نے سلسلہ وار مضامین لکھے جو چار اقساط میں مکمل ہوئے میں انھوں نے ''مسلمانوں کا قومی وطن'' کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ شمالی ہند میں جو پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان پر مشتمل ہے اپنی قومی

حکومت کے قیام کو نصب العین قرار دے لیں کیونکہ وقت کے مقتضیات اور مسلمانوں کی آزادی کی خواہشات اسی صورت میں پوری ہوسکتی ہیں کہ اس حصہ میں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے۔ جس کی بنا پر مسلمان اسے نہایت آسانی سے اپنا وطن سمجھ سکتے ہیں۔

A History of the Idea of Pakistan

کے مصنف خورشید کمال عزیز (K.K.Aziz) کے مطابق:

مرتضیٰ خان میکشؔ نے علامہ اقبالؔ سے پہلے ۱۹۲۸ء میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک ایسے جداگانہ آزاد وطن کا نظریہ پیش کیا اور جن صوبوں پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان پر مشتمل آزاد وطن بنانے کا کہا آج موجودہ پاکستان انہی بیان کردہ حدود پر مشتمل ہے۔ (۲)

افغانستان کے سابق بادشاہ غازی امان اللہ خان (۳) کے عہد میں تیسری افغان جنگ لڑی گئی جس کے نتیجہ میں انگریز استعمار افغانستان کی آزادی تسلیم کرنے پر مجبور ہوا اور افغانستان کے داخلی و خارجی معاملات میں بھی دخل اندازی کرنے سے باز رہا۔ اس بنا پر برصغیر کے مسلمان، غازی امان اللہ خان سے یہ توقعات وابستہ کیے ہوئے تھے۔ کہ وہ بھی اُنھیں اسی طرح انگریزوں سے مخلصی و آزادی دلائے گا جس طرح اس سے پہلے احمد شاہ ابدالی، ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کو کچل کر مسلمانوں کی آزادی و نجات کا باعث بنا تھا۔ (۴) بنابریں ایک مخلص مسلم افغانی اور سربرآوردہ صحافی ہونے کے ناطے آپ اس بات کے خواہشمند تھے کہ غازی امان اللہ خان اپنے منصوبوں میں کامیاب و کامران ہوں اور برصغیر کے مسلمانوں کو انگریز استعمار کے شکنجے سے خلاصی مل جائے۔ اس لیے انھوں نے ہمیشہ واضح اور برملا طور پر غازی موصوف کی کھل کر حمایت کی۔ یورپی ممالک کی ترقی سے متاثر ہوکر غازی موصوف یورپی ترقی کا بچشم خود جائزہ لینے کے لیے عازم یورپ ہوئے اور چند ماہ وہاں مقیم رہ کر یورپی ممالک کے سربراہان مملکت اور وہاں کے دیگر سرکردہ عہدیداروں سے ملاقاتیں کر کے وطن واپس آئے تو ان کی عدم موجودگی میں زہریلے انگریزی پراپیگنڈے سے صورت حال بدل چکی تھی۔ جس کی بنا پر پورے ملک میں یکا یک ہنگامے پھوٹ

پڑے اور انھوں نے ایک سنگین بغاوت کی صورت اختیار کر لی۔ انگریزوں کی سرپرستی میں ۱۹۲۸ء میں ایک ڈاکو، حبیب اللہ معروف بہ ''بچہ سقاؤ'' بغاوت میں کامیابی کی بنا پر غازی موصوف کو ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اب افغانستان کے تخت پر انگریزوں کا کٹھ پتلی بچہ سقاؤ کی براجمان تھا، جس نے پورے نو ماہ تک اہل افغانستان کو بالعموم اور غازی موصوف کے حامیوں کو بالخصوص تکالیف میں مبتلا رکھا۔ جس کی بنا پر ان کی زندگی اجیرن بنی رہی۔ زاہد چوہدری کے مطابق:

> ''۱۹۲۹ء میں نادر خان کو فرانس سے بلا کر اسے دہلی میں مہمان رکھا گیا اور اس کے لیے محمودی اور وزیری قبائل پر مشتمل فوج منظّم کی گئی جس نے بچہ سقہ کو شکست دے کر پہلے تو کابل میں خوب لوٹ مار کر اور پھر نادر خان کو تخت پر بٹھایا دیا۔ یہ نادر خان اسی سردار سلطان محمد خان کا پوتا تھا جس نے امیر دوست محمد خان سے غداری کر کے وادی پشاور رنجیت سنگھ کے حوالے کر دی تھی اور انعام کے طور پر کوہاٹ کے نزدیک ایک جاگیر حاصل کی تھی۔ نادر خان نے ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو ہندوستان سے اس لیے نہیں بلایا تھا کہ وہ کابل میں یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں ان سے مشورہ کرنا چاہتا تھا بلکہ اُس کا مقصد یہ تھا کہ وہ ہندوستان کا تعاون حاصل کر کے اپنی مسند اقتدار کا تحفظ کرے جو ان دنوں ڈانوں ڈول ہو رہی تھی۔ چنانچہ بعد ازاں وہ اسی سال یعنی ۱۹۳۳ء کے اواخر میں اپنے ہی خاندان کے افراد کے ہاتھوں مارا گیا تھا''۔(۵)

چنانچہ وطن واپس جانے کے لیے جنرل نادر خان کا گذر جب لاہور ریلوے سٹیشن سے ہوا تو روزنامہ حریت ۲۷ فروری ۱۹۸۷ء کے مطابق مولانا ظفر علی خان کی قیادت لاہور کے مسلمانوں نے جنرل نادر خان سے یہ حلفیہ وعدہ لیا کہ وہ بچہ سقاؤ کو تخت سے ہٹا کر تخت و تاج امیر امان اللہ خان کے حوالے کر دے گا لیکن بچہ سقاؤ کے خلاف کامیابی حاصل کرنے کے بعد جب جنرل نادر خان نے

اپنے سابق آقا ولی نعمت غازی امان اللہ خان کو تاج و تخت سنبھالنے کی دعوت نہ دی اور اس طرح لاہور کے سرکردہ مسلمان صحافیوں سے کیے گئے حلفیہ وعدے سے روگردانی کی اور اسے نہ صرف پورا نہ کیا بلکہ سابق بادشاہ کے حامیوں کی بیخ کنی کرنے لگا یہاں صرف ایک مثال دینے پر ہی اکتفا کیا جارہا ہے۔مولانا ظفر علی خاں نے روزنامہ زمیندار لاہور بابت ۱۵ نومبر ۱۹۳۲ء کو لکھا:

'' آج صبح سے ٹل کے بازاروں میں افواہ گرم ہے کہ نادر شاہ نے جنرل غلام نبی خان کو گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے (اناللہ والیہ راجعون)۔جنہیں پچھلے دنوں نادر شاہ ، بادشاہ افغانستان کے بھائی سردار شاہ ولی خان یورپ سے 'حفظ جان' کا یقین دلا کر اپنی ضمانت پر ساتھ لائے تھے۔ جنرل غلام نبی خان کے اسم گرامی سے کون واقف نہیں۔آپ امیر شہید اور امیر عبدالرحمٰن خان خلد آشیانی کے شہرہ آفاق جرنیل غلام حیدر خان چرخی کے فرزند تھے۔ اس خاندان کو سارے افغانستان میں بہت اثر و رسوخ حاصل ہے۔ جرنیل غلام نبی خان بچہ سقہ کے ظہور کے وقت ماسکو میں اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خان کے سفیر کبیر تھے۔ اعلیٰ حضرت کے قندھار چلے آنے کے بعد انھوں نے مزار شریف کے علاقہ سے لشکر جمع کر کے کابل پر چڑھائی کی تھی۔لیکن شاہ ولی خان کی فوج ان سے پہلے کابل پہنچ گئی۔ چونکہ نادر شاہ نے انھیں قاصد کے ذریعے یقین دلایا تھا کہ وہ عنقریب اعلیٰ حضرت کی معیت میں کابل آئیں گے۔خیال کیا جاتا ہے کہ نادر شاہ نے جرنیل موصوف کو شہید کرا کے افغانستان میں خوفناک خانہ جنگی کو دعوت دی ہے۔ کیونکہ افغانستان کے طول و عرض میں جرنیل غلام حیدر چرخی کا نام اب تک عزت و احترام اور محبت سے لیا جاتا ہے۔ اور قبایل میں اس خاندان کو بہت رسوخ حاصل ہے۔ جرنیل غلام نبی خان نے اب تک نادر شاہ کو بادشاہ تسلیم نہیں کیا تھا۔معلوم ہوا ہے کہ سردار شاہ ولی خان کے ہمراہ ان کا آنا محض اس جائیداد کے تصفیے کے لیے تھا جسے نادر شاہ کی حکومت پچھلے سال ضبط کر چکی تھی''(۷)

حبیب اللہ المعروف بچہ سقاؤ کی غاصبانہ حکومت کے خاتمہ پر جب جنرل نادر خان نے اپنی استبدادی حکومت قائم کرنے کا اعلان کیا تو لاہور کے صحافی حضرات نے ایک میٹنگ کی۔(واضح رہے کہ مولانا غلام رسول مہر اور مولانا عبدالمجید سالک نے اپنے اخبار ''روزنامہ انقلاب'' میں نادری حکومت کو تسلیم کر لیا تھا)اور جب یہ سوال مولانا ظفر علی خان سے کیا گیا تو اُن کا جواب تھا کہ یہ دوسرے ملک کا معاملہ ہے ہمیں اب اس میں زیادہ دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔یوں مولانا میکشؔ نے اپنے ساتھیوں کی روش دیکھ کر ''روزنامہ انقلاب'' سے کنارہ کشی کر لی اور اپنے موقف پر ثابت قدم رہتے ہوئے نادری حکومت کی وعدہ خلافیوں کی خوب خبر لی اور تادیر غازی امان اللہ خان کی حمایت میں کھل کر لکھتے رہے۔

افغانستان میں غازی امان اللہ خان کی حکومت کا تختہ الٹ دیے جانے کے باعث ناموافق اور نامساعد حالات کی وجہ سے افغانستان کے سرداروں اور تعلیم یافتہ افراد کی ایک کثیر تعداد مختلف ملکوں مثلاً ہندوستان، ایران، ترکیہ جرمنی اور دیگر یورپی ملکوں میں مقیم ہوگئی۔آقائے میکشؔ نے ان منتشر سرداروں اور تعلیم یافتہ افراد کے مابین سیاسی ہم آہنگی، ملی یک جہتی اور ربط وضبط پیدا کرنے کے لیے ہفت روزہ ''افغانستان'' فارسی زبان میں لاہور سے جاری کیا جو بہت جلد ہی عالمی شہرت کا حامل بن گیا۔

ہندوستان میں مقیم بعض افغان سردار آقائے میکشؔ کے جذبہ ملی اسلامی اور صحافیانہ عظمت سے آگاہ تھے۔جس کی بنا پر وہ آقائے میکشؔ کی تحریروں کو بڑی وقعت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ غازی امان اللہ خان کا جلاوطنی کے زمانے میں بھی آقائے میکشؔ سے برابر رابطہ رہا اور سابق بادشاہ آقائے میکشؔ کو خطوط ارسال فرمایا کرتے تھے۔یہ باہمی ربط انگریز سرکار کو سخت ناپسند تھا اور انگریز سرکار ہر ممکن طریقے سے غازی امان اللہ خان کے خطوط کے حصول کے لیے کوشاں تھی۔چنانچہ ایک پولیس سب انسپکٹر آغا رشید احمد خان کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی کہ جس طرح ممکن ہو وہ آقائے میکشؔ سے غازی موصوف کے خطوط حاصل کرے لیکن پولیس افسر مذکور نے اپنی پوری کوشش کے باوجود مقصد میں ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ آقائے مرتضیٰ میکشؔ کا جواب یہ ہے کہ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیا جائے تب بھی میں وہ خطوط انگریز سرکار کے حوالے نہیں

کر سکتا۔ آقائے میکشؔ کی خودداری اور استغنا کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے انگریز سرکار کی طرف سے ان خطوط کی حوالگی کے بدلے مبلغ پچیس ہزار روپے کی خطیر رقم کی پیش کش بھی ٹھکرا دی تو انگریز سرکار نے اس طرح خطوط کے حصول میں ناکامی کے بعد دوسرے حربے استعمال کرنے شروع کر دیے۔ چنانچہ انگریز سرکار خطوط کے حصول کے لیے قندھار کے گورنر سے مدد کی طلب گار ہوئی۔ گورنر مذکور کی ہمدردیاں پہلے ہی غازی امان اللہ خان کی بجائے جنرل نادر خان کے ساتھ تھیں۔ اس لیے وہ جلد ہی مدد کرنے پر آمادہ ہو گیا اور اپنے ایک پروردہ شخص آغا نور احمد افغان کے ذمے یہ کام لگایا۔ آغا نور احمد افغان ہم کیش، ہم وطن اور ہم زبان ہونے کے باعث جلد ہی آقائے میکشؔ کا اعتماد حاصل میں کامیاب ہو گیا اور اس طرح وہ نہایت آسانی سے آقائے میکشؔ کے ہفت روزہ (افغانستان) میں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ رفتہ رفتہ نور احمد خان افغان پر اس قدر اعتماد کیا جانے لگا کہ دفتر کی چابیوں کے علاوہ آقائے میکشؔ کے گھر کی چابی بھی اُس کے پاس ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ ناہنجار موقع پا کر غازی امان اللہ خان کے خطوط چرا کر افغانستان کی طرف فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ خان مذکور نے وہ خطوط جنرل نادر خان بادشاہ افغانستان کے حوالے کر دیے اور جنرل نادر خان نے یہ خطوط اپنی مربی و محسن انگریز سرکار کے سپرد کر دیے۔ انگریز سرکار نے یہ کہہ کر کہ آپ کے سبب سے ہمارے تعلقات ہمسایہ اور دوست ملک افغانستان سے خراب ہوئے ہیں آقائے میکشؔ پر مقدمہ بنا دیا۔ اس مقدمے کی سماعت اس وقت کے ایک جج جناب جسٹس عبدالمجید صاحب کی عدالت میں ہوئی۔ جس کے فیصلے کے نتیجے میں نہ صرف آقائے میکشؔ کا اخبار بحق سرکار ضبط کر لیا گیا بلکہ انھیں ایک سال کے لیے حوالہ زندان بھی کر دیا گیا اور یوں آپ نادر شاہی آرڈیننس کا شکار ہو گئے۔

آقائے میکشؔ نے نادر شاہی کارستانیوں سے متاثر ہو کر ایک نہایت ہی زوددار اداریہ فارسی ہفت روزہ 'افغانستان' لاہور بابت ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۴۹ ہجری قمری بمطابق

بعنوان:

''حکومت موجودہ چرا مستعفی نمی شود'' لکھا۔ آقائے میکشؔ کے اس اداریے کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے

''موجودہ حکومت استعفیٰ کیوں نہیں دیتی۔''

''خیانت وغداری، جھوٹے عہد و پیمان، مکروفریب، قرآن مجید پر جھوٹا حلف، جبر واستبداد، اہل وطن پر ظلم وستم، ریاکاری، عیاری مکاری مذہبی استحصال، اغیار پر تکیہ کرنا، نفاق انگیزی، رشوت ستانی، دین دار صالح اور آزمودہ کار افراد سے دوری اور نااہل افراد پر انحصار کرنا اس نوع کے سیکڑوں عنوان ایسے ہیں جو دہشت آور اور حیرت انگیر ہیں کہ افغانستان کی موجودہ حکومت نہ صرف عام افغانوں بلکہ دنیا بھر کی نظروں میں متہم ہوکر رہ گئی ہے۔موجودہ حکومت کے عہدیداروں کے ہاتھوں ملک وقوم کے شرف و بزرگی وطن کی عزت ووقار اور ملت نجیب افغان کے موروثی فخر وناز کو خاک میں ملا دیا ہے اور موجودہ حکومت ملت اور افراد ملت کے نزدیک اپنا اعتماد کھو چکی ہے۔کارآزمودہ بااثر ونفوذ اور صائب رائے کے حامل افراد سے تعاون و دوستی کا ہاتھ جھٹک کر غیروں کے اغراض پر مبنی مشوروں پر انحصار کیا ہے۔ملت افغان نادر شاہی حکومت کے زمانے میں سراسر پیکر فریاد وشیون ہے۔ جہالت، وحشت رسوائی و بدنامی کی صورت حال یہ سب خرابیاں خیانت کاروں کے سردار بچہ سقہ کی سرکردگی میں اس مملکت اور افغانستان میں رونما ہوئی ہیں اور آج بھی یہ صورتحال اپنی تمام تر خرابیوں کے ساتھ برقرار اور قائم ودائم ہے۔ مذکورہ بالا کہے گئے فقرات کسی وضاحت کے محتاج نہیں کیونکہ کوئی چیز مخفی نہیں رہی۔ وہ نقشہ جو موجودہ حکومت افغانستان نے ہر طرح کے مکروفریب اور ریاکاری سے پھیلایا تھا وہ آج ساری مخلوق خدا پر واضح طور پر آشکار ہے۔ ملک وملت کی اس افسوسناک اور رسوا کن حالت پر ہر چھوٹے بڑے ادنیٰ و اعلیٰ افغان کی آنکھ اشک بار ہے۔ ہر مسلمان کا دل حسرت ومحرومی کی آگ سے جل رہا ہے۔پتھر شق ہو جاتے ہیں۔ پہاڑ پگھل جاتے ہین لیکن موجودہ حکومت کے عہدیداروں کے دل ایسے ہیں جو ایسی صورت حال سے متاثر نہیں ہورہے اور اس صورت حال سے کسی قسم کا اثر قبول نہیں کررہے۔حکومت کا کام اصلاح کی منزل سے گزر چکا ہے اور بدبختی سے ہم موجودہ حکومت کو اصلاح کی طرف مائل نہیں دیکھ رہے۔ کیا موجودہ حکومت کے عہدیدار اس بات کے خواہاں ہیں کہ دفعہ پھر معاشرے کو دہشت آور انقلاب کے سیلاب میں دھکیل دیں اور از سر نو ملت کے گھروں کو جلانے خانہ

جنگی اور برادر کشی میں مبتلا کر دینا چاہتے ہیں۔ملت افغان نے فی الحال صرف حکومت سے دوستی کا ہاتھ کھینچا ہے۔اور اس انتظار میں ہے کہ عہد یدار اس بات کو سمجھ جائیں اور ملت کی دلی آرزوں کا احترام کرتے ہوئے حکومت سے کنارہ کشی کر لیں۔پس حکومت کیوں بدنامی کے داغ کو اپنی پیشانی پر سجانے کی خواہش مند ہے کہ نا شروع طور پر طاقت کے زور پر ملت افغان پر مسلط رہے۔کیا اس کا مدعا یہ ہے کہ سرزمین مقدس افغانستان اور ملت نجیب واصیل افغان ہمیشہ کے لیے عدم میں چلی جائے اور دنیا کی تاریخ میں اس کا رشریفہ کی نیک نامی بنام نادر شاہ افغان لکھی جائے)(۸)

آقائے میکشؔ جب جیل سے باہر آئے تو مولانا ظفر علی خاں انھیں اپنے اخبار''(زمیندار) میں لے گئے اور وہاں انھوں نے بطور انچارج ایڈیٹر کے کام کرنا شروع کر دیا۔لیکن زمانے کی ناقدری، انگریز سرکار کی بدظنی، دباؤ کے لیے مختلف حربوں کا استعمال ،طبیعت کی خود داری اور بے زری نیز مخالفوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے باعث زمیندار کو بھی الوداع کہنا پڑا اور آپ نے مشہور تاجر ملک نور الٰہی کے ساتھ مل کر ایک نئے روزنامے کا اجرا کیا اور یہ نیا روزنامہ''احسان'' کے نام سے ۱۱ اگست ۱۹۳۴ء کو منظر عام پر آیا۔اس سلسلے میں آپ کے احباب و رفقا میں چراغ حسن حسرت، حاجی لق لق اور محمد اشرف خان عطا کے نام نامی زیادہ نمایاں ہیں۔یہ روزنامہ بجا طور پر مسلم لیگ کا اولین ترجمان کہلانے کا حقدار ہے ہے کیونکہ اس کی ٹیلی پرنٹر سروس کا افتتاح بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح نے کیا تھا۔جہاں پہلی دفعہ آقائے میکشؔ کی قائداعظم سے ملاقات ہوئی تھی۔

آقائے میکشؔ نے اس اخبار کا مدیر اعلیٰ ہونے کی وجہ سے تحریک پاکستان کی آبیاری میں بھر پور حصہ لیتے ہوئے اپنا پورا ازور قلم صرف کر دیا۔اور ہر کس و ناکس سے اپنی علمی صلاحیتوں کا اعتراف کرایا۔اور''احسان'' کے ذریعے تحریک پاکستان کے لیے برجستہ خدمات سرانجام دینے کے علاوہ آقائے میکشؔ مسلم لیگ پارٹی کے ہفتہ وار مجلّہ''پاکستان'' کے ایڈیٹر انچارج کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔صحافی ہونے کے ناطے یہ منفرد اعزاز صرف میکشؔ کو ہی مل سکا۔روزنامہ''احسان'' کے بعد روزنامہ''شہباز'' جاری ہوا۔جس میں آقائے میکشؔ نے ہمیشہ شاہباز کا کردار ادا کیا اور اپنی سحر

انگیز تحریروں کے باعث لوگوں کے دل موہ لیے۔ آپ نے روزنامہ ''شہباز'' کے مضامین اور اداریوں میں جدتیں پیدا کیں۔ جسے ہر کسی نے سراہا اور آخر کار دوسرے معاصر اخبارات کے لیے شہباز'' کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی نہ رہا اور انھیں مجبوراً ''شہباز'' کی پیروی کرنی پڑی۔ ملت اسلامیہ کے حقوق و مفاد کی نگہبانی اور ترجمانی کا حق جو'' شہباز'' نے ادا کیا وہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ روزنامہ'' شہباز''' کے سید امجد علی شاہ کی ملکیت سے نواب خضر حیات ٹوانہ کی ملکیت میں چلے جانے پر آقائے میکشؔ نے'' شہباز'' کی ایڈیٹری سے استعفیٰ دے دیا اور تحریک آزادی کے اس ہنگامہ خیز دور میں جب برسر اقتدار حکمران پارٹی نے آپ کو اپنی حمایت کے لیے مایل کرنا چاہا تو میکشؔ نے اپنی خودداری کا سودا کرنے سے انکار کرتے ہوئے بے زری اور غریبی میں نام پیدا کرتے ہوئے اس دور کے متحدہ پنجاب کے وزیر اعظم ملک خضر حیات ٹوانہ سے کہا ''مرتضیٰ احمد خاں میکشؔ روپے پیسے کا حریص نہیں ہے وہ اپنے ضمیر کو ملک صاحب کی یونینسٹ پارٹی کے پراپیگنڈے کے لیے نہ بیچ سکے گا۔

آغا شورش کاشمیری اپنی کتاب (نورتن) میں آقائے میکشؔ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> ''فارسی ان کے گھر کی لونڈی ہے۔ اُردو خوب لکھتے ہیں لیکن لکھنوی دہلوی یا لاہوری کسی اسلوب کے پیرو نہیں۔ ان کا اپنا اسلوب ہے۔ زبان گنجلک تو نہیں ادق ہوتی ہے۔ انگریزی کے ہر لفظ کو مشرف بہ اسلام کر لیتے ہیں۔ الفاظ کو مفرس یا معرب کرنے میں انہیں یدطولیٰ حاصل ہے۔ مثلاً اسٹیشن لکھا ہو تو استاسیون لکھیں گے''

آگے چل کر آغا صاحب مزید لکھتے ہیں:

> ''ریاض خیر آبادی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ خمریات کے شاعر تھے لیکن خمریات کے مزاج دان نہیں تھے۔ انھوں نے عمر بھر شراب کا ایک قطرہ نہ چکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں شراب کا ذکر ہے۔ شراب کا سرور نہیں۔ مرتضیٰ احمد بھی تخلص ہی کے گنہگار تھے۔ خدا معلوم کس نسبت یا رعایت سے انھوں نے اپنا تخلص میکشؔ کیا۔

میکدہ دیکھا نہ پیالہ اٹھایا۔اُن کی شاعری میں تو پیمانہ وسبو کا بھی ذکر نہیں۔''

میکشؔ کا ایک شعر ہے:

شیشہ وساغر کو بھی پگھلا کے پی جاتا ہے وہ اس بلانوشی پہ میکشؔ پارسا کیوں کر ہوا جو لوگ مے نوشی کا ذوق رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ریاض خیر آبادی کی شاعری کی طرح اس شعر میں بھی شراب کا، ذکر ہے۔شراب کا مزہ نہیں۔آقائے میکشؔ کو گرفتار کرنے والے سب انسپکٹر آغاز رشید احمد خان کا انٹرویو بھی آغا شورش کاشمیری نے ہی کیا تھا۔جس کا تذکرہ انکی کتاب (نورتن) میں کیا گیا ہے۔(۹)

تحریک پاکستان کے سلسلے میں آقائے میکشؔ کی نمایاں خدمات کا تذکرہ شریف الدین پیرزادہ کی کتاب ''پاکستان منزل بہ منزل'' چوہدری محمد علی کی کتاب ''ظہور پاکستان'' کے۔کے عزیز کی کتاب ''A History of the Idea of Pakistan'' کے علاوہ تحریک پاکستان پر لکھی گئی بیشتر کتب میں آپ کی خدمات کا ذکر پایا جاتا ہے۔

پاکستان بننے پر آقائے میکشؔ متعدد روزناموں میں نمایاں اور برجستہ خدمات سرانجام دیتے رہے۔جن میں ''مغربی پاکستان'' اور ''نوائے پاکستان'' زیادہ نمایاں ہیں۔آقائے میکشؔ اتحاد بین المسلمین کے زبردست حامی تھے اور اس اتحاد کی خاطر انھوں نے اپنا پورا زور قلم صرف کیا۔

منیر انکوائری کمیشن رپورٹ میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے وکیل کی حیثیت سے آقائے میکشؔ کی قابلیت کا اعتراف کیا گیا ہے۔آقائے میکشؔ ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے منیر انکوائری رپورٹ کا تجزیہ کیا جو کئی اقساط میں روزنامہ ''نوائے پاکستان'' میں شائع ہوا۔بعد ازاں محاسبے کے نام سے کتابچہ کی صورت میں منظر عام پر آیا۔کہا جاتا ہے کہ کمیشن کے جج صاحبان نے آقائے میکشؔ کے اسلوب نگارش کی تعریف کی تجزیے میں ان کا انداز متوازن رہا ہے۔کمیشن کے سربراہ چیف جسٹس جناب جسٹس منیر نے آپ سے سوال کیا:

''آپ مولانا ہیں، پھر میکشؔ تخلص کیوں رکھتے ہیں؟''۔آپ نے جواب دیا:''مے عرفان

کی رعایت سے'' آپ نے بہت سی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ جن میں '' دودِدل''، الہامی افسانے''، ''اخراج اسلام از ہند''، ''سیرت سید المرسلینؐ''، ''تاریخ اسلام'' (چار جلدیں)، ''تاریخ اقوام عالم'' (دو جلدیں)، ''البرزشکن گرزعرف میرزائی نامہ''، ''اسلام اور معاشی اصلاحات''، وغیرہ زیادہ نمایاں ہیں۔

۱۹۵۷ء میں آقائے میکشؔ کے بڑے صاحبزادے سرفراز جبرئیلی حصول ملازمت کے سلسلے میں جب روالپنڈی گئے تو وہاں ان کا قیام آقائے میکشؔ کو گرفتار کرنے والے آغا رشید احمد خان سب انسپکٹر کے ہاں رہا۔ انسپکٹر موصوف نے جبرئیلی کو ہدایت کی کہ وہ اپنے باپ کی پروا کیے بغیر آغا نور احمد افغان کو گھر میں داخل نہ ہونے دیا کرے لیکن آقائے میکشؔ کی حیات تک آغا نور احمد افغان کا ان کے ہاں آمدورفت کا سلسلہ جاری رہا۔ میکشؔ ۲۷ جولائی ۱۹۵۹ء کو اس جہان فانی سے جہان باقی کی طرف رحلت کر گئے۔

☆☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

(۱) سبط حسن رضوی، سید دکتر: ''فارسی گویان پاکستان: گرامی تا عرفانی'' (جلد اول) روالپنڈی: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، طبع اول ۱۳۹۴ھ ق/ ۱۹۷۴ء ص ۳۱۱

(۲) عزیز کے۔ کے: ''" A History of the Idea of Pakistan"
لاہور: Vanguard، طبع اول: ۱۹۸۷ء ص ۱۶۷

(۳) علامہ اقبال گوئٹے کے جواب میں لکھی جانے والی اپنی معروف تصنیف ''پیام مشرق'' کا آغاز اس بادشاہ (غازی امان اللہ خان) کے نام سے یوں کرتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیشکش بحضور اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خان فرمانروای دولت مستقلہ افغانستان خلد اللہ ملکہ، واجلالہ،

یہ پیشکش ۱۸۱ اشعار پر محیط ہے جب کہ اس کا آغاز اس شعر سے ہو رہا ہے:

اے امیر کامگار اے شہریار
نوجوان و مثل پیران پختہ کار

اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور (قومیائے جانے کے بعد گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور) کی موجودہ عمارت کا سنگ بنیاد غازی امان اللہ خان کے والد گرامی جناب حبیب اللہ خان والئی افغانستان نے رکھا تھا جیسا کہ کتبہ سے واضح ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بفضلہٖ تعالےٰ بنائے این بیت العلوم انجمن حمایت اسلام لاہور۔

اعلےٰ حضرت رفیع مرتبت قوی شوکت سراج الملت والدین امیر سر حبیب اللہ خان جی سی بی۔ جی سی ایم جی۔ فرمانوائے دولت خداداد افغانستان وملحقات آن خُلد اللہ مُلکہ وسلطنتہ، بدست مبارک خود نہادند۔

شہر محرم الحرام ۱۳۲۵ء ہجری فروری ۱۹۰۷ء

گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور کا ''حبیبہ ہال'' اسی بادشاہ سے منسوب ہے۔

(۴) برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کے مسلم سیاسی، مذہبی اور فوجی عمائدین کی درخواست پر احمد شاہ ابدالی

درانی برصغیر پر حملہ آور ہوا اور ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے تاریخی میدان میں ایک طویل اور خونریز جنگ کے نتیجے میں مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی اور ایک مختصر سے عرصے کے لیے (۹ سال کے لیے) دہلی مرہٹوں کی دستبرد سے بچ گئی۔نواب نجیب الدولہ کی وفات ۱۷۷۰ء کے بعد مرہٹے پھر دہلی پر آ چڑھے اور نواب نجیب الدولہ کے بیٹے نواب ضابطہ خان کو نہ صرف دہلی سے بھگا دیا بلکہ شاہی فوجوں او رمرہٹوں نے مل کر نواب مذکور کے آبائی گھر پر حملہ کر دیا نواب نجیب الدولہ کے گھر کو لوٹا گیا خاندان کی تذلیل ہوتے غلام قادر نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جس پر اُس نے موقع ملنے پر نہ صرف شاہی خاندان کی تذلیل کی بلکہ نہایت ظلم کے ساتھ شاہ عالم بادشاہ کی آنکھیں بھی نکلوا دیں۔اور خود بھی مرہٹوں کے ہاتھوں ظالمانہ طریق سے مارا گیا۔

پانی پت کی لڑائی میں برصغیر کے مسلمانوں نے پہلی مرتبہ اپنے اتحاد و یک جہتی کا ثبوت دیتے ہوئے اس دور کے ایک سربرآوردہ جرنیل اور افغانستان کے بادشاہ کی قیادت میں لڑی تو فتح ان کا مقدر بنی۔ اس ہندوستانی اور افغانی متحدہ لشکر کے قائدین نے بالغ نظری سے کام نہ لیتے ہوئے اس متحدہ لشکر کو صرف مرہٹوں کے تعاقب تک ہی معدود رکھا۔یہ لیڈران کرام اگر وسعت نظر سے کام لیتے اور اس لشکر کے قائد اور افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی کو بنگال کے مسلمانوں کو آزاد کرانے کے لیے وہاں بھی لے چلتے تو وہاں کے مسلمان بھی آزاد فضا میں سانس لے سکتے جنہیں ابھی غلام ہوئے زیادہ عرصے نہیں ہوا تھا اور ہندوستان میں انگریزی قدم پوری طرح جمنے نہیں پائے تھے۔۱۷۵۷ء میں سازشوں کے سبب نواب سراج الدولہ کو شکست ہوئی اور انگریز فاتح بن کر بنگال پر قابض ہوئے۔ اُس وقت تک یعنی ۱۷۶۱ء تک انگریزی قوت و طاقت ایسی نہیں تھی جو اس متحد لشکر سے عہدہ برا ہو سکتی اُس وقت ۱۷۶۱ء میں ہندوستان کے مسلم اکابرین اور احمد شاہ ابدالی کے متحدہ لشکر کے انگریزوں کے خلاف اقدام نہ کرنے کا نتیجہ جلد ہی سامنے آ گیا کہ اس لڑائی کے تین سال بعد ۱۷۶۴ء میں ''بکسر'' کی جنگ ہوئی جو جنگ تو مختصر تھی لیکن اپنے نتائج کے لحاظ سے بڑی ہولناک ثابت ہوئی۔اس جنگ میں انگریزوں کے ہاتھوں نہ صرف میر قاسم نواب بنگال،نواب وزیر اودھ شجاع الدولہ پٹ گئے بلکہ شہنشاہ ہندوستان شاہ عالم بادشاہ بھی شکست سے دوچار ہوئے۔۱۷۶۵ء میں ہونے والے معاہدے میں جو نواب اودھ سے ہوا۔اس کے بارے میں ''کمپنی کی حکومت'' از باری علیگ کے ص ۵۷ پر یوں رقم ہے:

''اس (کلایو) نے اگست ۱۷۶۵ء میں الہ آباد کا معاہدہ کیا۔اس معاہدہ کی رو سے نواب وزیر اودھ کو ''کڑا''، الہ آباد، ''چنار''، بنارس'' اور غازی پور'' کی زمینداری کے علاوہ اس علاقہ پر نواب بنا دیا گیا۔نواب وزیر نے پندرہ لاکھ روپیہ بطور تاوان جنگ ادا کرنے پر بھی رضامندی ظاہر کی۔اس نے کمپنی سے ایک دفاعی معاہدہ کیا جس کی رو سے ''کمپنی'' نے اس کے حدود کی حفاظت کی ذمہ داری لی۔

نواب نے فوج کے اخراجات برداشت کرنے کا وعدہ کیا۔نواب وزیر اس بات پر بھی رضا مند ہو گیا کہ انگریز بغیر ڈیوٹی ادا کیے اس کے علاقہ میں تجارت کر سکتے ہیں۔

مندرجہ معاہدہ کی رو سے اودھ ایک پٹھو حکومت بن گئی۔''

چند سطریں بعد یہی مصنف اسی کتاب کے اسی صفحہ پر مزید لکھتا ہے۔

''لارڈ کلایو نے شاہ عالم سے بھی معاہدہ کیا۔اس معاہدے کے مطابق بادشاہ کو''کڑا'' اور'' آلہ آباد'' کے اضلاع سپرد کر دیے گئے جو نواب اودھ سے انگریزوں نے لے لیے تھے۔کمپنی نے شاہ عالم کو چھبیس لاکھ روپے سالانہ بطور خراج دینا منظور کیا اور اس کے بدلے میں شہنشاہ نے بنگال (بنگال بہار، اڑیسہ) کی دیوانی کمپنی کے حوالے کر دی''۔

۱۷۷۰ء میں نواب نجیب اللہ الدولہ کے وفات پانے پر مرہٹے پھر شمالی ہند پہنچ گئے اور اس علاقے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔شاہ عالم بادشاہ بھی الہ آباد سے کوچ کر کے دلی پہنچ گئے۔مرہٹے بادشاہ کے نام پر حکومت چلانے لگے اور بادشاہ کے اور اس کے خاندان کے اخراجات کے لیے منشی امیر احمد علوی کی کتاب بہادر شاہ ظفر'' کے صفحہ ۳۷ کے مطابق مبلغ ۵۰۰، ۸۸'' اٹھاسی ہزار پانچ سو روپے مقرر کر دیے انگریزوں نے جب یہ دیکھا کہ بادشاہ (شاہ عالم بادشاہ) مرہٹوں کے قول وقرار پر اعتماد کر کے ہمارے ہاتھ سے نکل کر ان (مرہٹوں) کے پاس دلی پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے جو کیا وہ کمپنی کی حکومت از باری علیگ س ۶۴ پر رقم ہے'' چونکہ مغل شہنشاہ شاہ عالم کمپنی کی زیر سرپرستی نہ رہا تھا، اس لیے وارن ہسٹنگز نے اس کو چھبیس لاکھ روپیہ سالانہ دینا بند کر دیا۔اس نے الہ آباد اور کڑا کے علاقے مغل شہنشاہ سے چھین کر نواب وزیر اودھ کو پچاس لاکھ کے عوض دے دیے''۔

مغل شہنشاہ شاہ عالم کی زندگی میں سندھیا کے یورپی افسروں کے انگریزوں کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے ۱۸۰۳ء میں مرہٹوں کو انگریزوں سے شکست ہوئی۔لیکن انگریزوں نے شمالی ہند خصوصاً دہلی والوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بادشاہت کو قائم رکھا اور بادشاہ اور کے خاندان کے اخراجات کے لیے مبلغ اٹھاسی ہزار پانچ سو مقرر کر دیے۔جبکہ محرم، عیدین، نوروز اور دوسرے تہواروں کے اخراجات کے لیے مبلغ دس ہزار سالانہ علاوہ رقم معین کے پیش کیا جاتا تھا''۔نیز جمنا کے داہنے پر جو محالات ہیں ان کی آمدنی شاہ عالم کے لیے نامزد ہے اب مرہٹوں کی جگہ انگریز مغل بادشاہ کے نام پر حکومت کرنے لگے اور دہلی میں انگریز ریزیڈنٹ رہنے لگا۔

۱۸۰۶ شاہ عالم بادشاہ کے انتقال کر جانے پر اُس کا بیٹا اکبر شاہ ثانی کے نام سے تخت نشین ہوتا ہے۔انگریز طاقتور ہوتے جاتے ہیں اور مغل بادشاہ کمزور۔اس بادشاہ (اکبر شاہ ثانی) کے عہد میں قید طویل یا قصاص کے احکام پر بادشاہ کی منظوری لینے کی رسم بھی موقوف کر دی گئی۔بادشاہ کے نام کی عزت کو

بے وقعت کرنے کی غرض سے انگریزوں کے اکسانے پر ان کے ایک پٹھو غازی الدین حیدر نے بادشاہ بننے کا اعلان کر دیا۔

۱۸۳۲ء میں دلی صوبہ مغربی وشمالی میں شامل ہوئی اور اس اشتباہ کی گنجائش باقی نہ رہی کہ قدیم دارالسلطنت پر ہنوز بادشاہ کی ملکیت برقرار ہے۔ ۱۸۳۵ء میں فارسی زبان کی سرکاری حیثیت ختم کر دی گئی اور انگریزی زبان کا اجرا کیا گیا۔ اسی سال سکہ کمپنی بہادر'' کا رائج ہو گیا اور مغل بادشاہ کا نام خارج کر دیا گیا۔ بادشاہی اور اس کے اصل لوازم تو شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں ہی جاتے رہے تھے البتہ بادشاہ کی عزت واحترام بہرحال بحال تھا۔ اکبر شاہ ثانی کے عہد میں طاقتور انگریزوں نے اپنے کمزور حریف مغل بادشاہ پر ہر طرح سے ضرب کاری لگائی۔ یہاں تک کہ وہ ہندوستان میں نام کی حد تک ہی سہی اکیلا بادشاہ بھی نہ رہا۔ ۱۸۳۷ء میں اکبر شاہ ثانی کے انتقال کر جانے پر اس کا بڑا بیٹا ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی کے نام سے تخت نشین ہوا۔ بیس سال تک یہ برائے نام بادشاہ شعر و سخن سے دل بہلاتا رہا۔ ۱۸۵۷ء میں اہل ہند نے اپنی آزادی کے لیے جنگ لڑی جس میں اہل ہند نے مغل بادشاہ کو اپنا بادشاہ بنایا اور اس کے نام پر انگریزوں سے لڑے۔ اس جنگ میں وسائل کی کمی، باہمی حسد و نفاق اور سازشوں کے نتیجے میں اہل ہندوستان کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ انگریز فاتحین کے ہاتھوں اہل ہندوستان کے ساتھ بالعموم اور بادشاہ اور اس کے خاندان کے ساتھ جو گزری اس سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں اس لیے ان کا اعادہ کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔

(۵) زاہد چوہدری: مسلم پنجاب کا سیاسی ارتقاء مشمولہ: '' پاکستان کی سیاسی تاریخ '' جلد پنجم، لاہور: ادارہ مطالعہ تاریخ، طبع اول: ۱۹۹۱ء ص ۴۷

(۶) روزنامہ حریت ۲۷ فروری ۱۹۸۷ جمعہ ایڈیشن صفحہ ۶

(۷) زمیندار: لاہور: ۱۵ رجب المرجب ۱۳۵۱ ہجری بمطابق نومبر ۱۹۳۲ء

(۸) ہفت روزہ '' افغانستان '' (فارسی) مورخہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ ق بمطابق ۱۹۳۰ء بعنوان : '' حکومت چرا مستعفی نمی شود''

(۹) شورش کاشمیری: ''نورتن'' (لاہور کے نو صحافیوں کا اجمالی تذکرہ)، لاہور: الفیصل طبع دوم: ۱۹۹۸ء بہ عنوان: مرتضیٰ احمد میکش ص ص ۹۶،۹۱

❁......❁......❁

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 36, Sr.No.98, 2015, pp 21 - 34

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۶، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۵ء، شمارہ ۹۸

صوفی تبسم، ایک ہمہ جہت شاعر

سید عنصر اظہر☆

Abstract:

Sufi Ghulam Mustafa Tabassum is one of the most renowned and celebrated multilingual poets of Pakistan. He used to compose verses in Urdu, Persian and Punjabi. He has written Ghazals, Rubais, Poems for children and national songs as well. In this article the author has introduced the different aspects of his personality and different dimensions of his literary works.

Key words: Sufi Tabassum, Modern Pakistani Poetry, Personality, Literary works, Analysis.

صوفی تبسم اردو ادبیات میں ایک معتبر نام سمجھا جاتا ہے جنھیں بیک وقت اردو، فارسی، پنجابی اور انگریزی زبان و ادبیات پر یکساں ملکہ حاصل تھا۔ آپ ایک معلم یکتا، شاعر سہ زبان، ادیب و نقاد تھے۔ ۴، اگست ۱۸۹۹ء کو امرتسر کے ایک کشمیری خاندان میں غلام مصطفیٰ نامی بچے کی ولادت ہوئی جسے تاریخِ ادبیت میں صوفی تبسم کے نام سے شہرتِ دوام ملی۔

محمد صدیق شاد کے بقول، ''وہ اُس ثقافتی دور کے علمبردار تھے جس میں عبدالمجید سالک، پطرس بخاری، ڈاکٹر تاثیر اور چراغ حسن حسرت جیسی باکمال شخصیتیں علم و ادب کے میدان میں ابھریں''۔(۱)

☆ اسسٹنٹ پروفیسر فارسی، گورنمنٹ کالج ماڈل ٹاؤن، لاہور

آپ کے اجداد کشمیر میں قحط سالی کی وجہ سے ہجرت کر کے پنجاب کے شہر امرتسر میں آن بسے تھے۔صوفی تبسم کی ولادت کے بارے میں ڈاکٹر نثار احمد قریشی لکھتے ہیں،'' صوفی تبسم کی تاریخِ پیدائش کبھی بھی متنازعہ فیہ نہیں رہی ۔ ان کے سرکاری کاغذات مثلاً شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور انشورنس پالیسی کے لئے مصدقہ تاریخ پیدائش کے سرٹفیکیٹ وغیرہ میں بھی یہی تاریخ درج ہے۔ نیز پنجاب گزٹ میں شائع شدہ صوفی تبسم کے میٹرک کے رزلٹ میں بھی یہی تاریخ (۱۸۹۹۔۰۸۔۱۴) درج ہے''۔(۲)

محمد صدیق شاد اپنے مقالے میں لکھتے ہیں،آپ کا اصل نام غلام مصطفیٰ تھا،صوفی لقب اور تبسم تخلص کرتے تھے، کچھ دیر اصغر اور صہبائی بھی تخلص کرتے رہے لیکن بعد میں مستقل طور پر تبسم تخلص کرنے لگے''۔(۳)

آپ کے دادا کا نام شیخ احمد صوفی اور والد کا نام صوفی غلام رسول تھا اسی مناسبت سے آپ نے کلمۂ صوفی ' کو اپنے نام کا جزو بنا لیا۔تعلیمی سفر کی ابتدا مسجد مکتب سے ہوئی پھر ایک حکیم صاحب کے مطب میں اردو قاعدہ پڑھا۔آپ کے تعلیمی سفر کا طائرانہ جائزہ کچھ یوں ہے،'' پہلی جنگ عظیم کے بعد ۱۹۱۷ء میں انہوں نے چرچ مشن سکول (امرتسر) سے میٹرک کا امتحان پاس کر لیا، اس کے مقامی خالصہ کالج میں داخلہ لے لیا اور یہاں سے ۱۹۱۹ء میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کر لیا۔۔۔۔۔اس کے بعد لاہور کے فورمین کرسچین کالج (ایف۔سی۔کالج) میں داخلہ لیا اور یہاں سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی ۔۔۔۔علمی تشنگی کم کرنے کی غرض سے اسلامیہ کالج لاہور میں ایم۔اے (فارسی) میں داخلہ لے لیا۔ یہاں سے ڈگری حاصل کرنے کے بعد سنٹرل ٹریننگ کالج سے بی۔ٹی کی سند حاصل کی اور پھر آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے اردو کی ڈگری بھی حاصل کی''۔(۴)

ڈاکٹر نثار احمد قریشی نے باقاعدہ سنین کے حوالے سے صوفی تبسم کے کالج کے تعلیمی دورانئے کا تذکرہ کیا ہے،'' کالج کی تعلیمی زندگی کے دوران صوفی تبسم کا تعلق مندرجہ ذیل چار کالجوں سے رہا :

(ا) خالصہ کالج امرتسر ۱۹۱۷ء۔ ۱۹۲۰ء،

(ب) ایف۔سی کالج لاہور ۱۹۲۱ء۔ ۱۹۲۲ء،

(ج) اسلامیہ کالج لاہور ۱۹۲۳ء۔ ۱۹۲۴ء،

(د) سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور ۱۹۲۵ء۔۱۹۲۶ء''۔(۵)

کسب معاش کی خاطر آپ نے درس و تدریس کے مقدس پیشے کا انتخاب کیا، آپ کا یہ دورانیہ مختلف اداروں میں گزرا صوفی تبسم، ایک ہمہ جہت شاعر ص۲

جس کی تفصیل کچھ یوں ہے، ''گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر میں بطور استاد مقرر ہوئے، کچھ عرصہ تدریسی فرائض سرانجام دینے کے بعد انسپکٹر آف سکولز ہو گئے۔اس کے بعد سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں السنہ اشرقیہ کے پروفیسر ہوئے۔تین چار سال یہاں کام کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور چلے آئے۔گورنمنٹ کالج لاہور میں صدر شعبہ فارسی اور صدر شعبہ اردو رہے''۔(۶)

۱۹۵۴ء میں آپ گورنمنٹ کالج لاہور سے ریٹائر ہو گئے۔۱۹۵۶ء میں برادر اسلامی ملک ایران نے لاہور میں فارسی زبان و ادبیات و فرہنگ کی ترویج و اشاعت کے لئے خانہ فرہنگ ایران کا لاہور مرکز قائم کیا تو صوفی تبسم کو اس کا ڈائریکٹر مقرر کیا۔یہ اعزاز پہلی بار کسی پاکستانی کو بخشا گیا تھا۔ چند سال فارسی زبان و ادبیات کی ترویج و اشاعت کے لئے کوشاں رہنے کے بعد آپ نے خارزارِ صحافت کا رُخ کیا۔''آپ نے باقاعدہ آغاز حکیم یوسف حسین کے 'نیرنگِ خیال' سے ۱۹۲۴ء میں کیا۔یہاں ایم۔ڈی ٹاثیر اور حفیظ جالندھری کے ساتھ کام کیا۔آپ رسالہ 'مخزن' کے اعزازی مدیر بھی رہے''۔(۷)

ڈاکٹر نثار احمد قریشی کے مطابق، ''صوفی صاحب اپنی علمی و ادبی خدمات کے عوض مارچ ۱۹۶۲ء میں پراگریسو پیپرز لمیٹڈ کے ہفت روزہ رسالے 'لیل و نہار' کے ایڈیٹر بنا دئے گئے۔وہ دو سال تک اس رسالے کے مدیر رہے اور اس دوران ہر شمارے میں وہ ایک کالم 'حرف و سخن' باقاعدگی کے ساتھ لکھتے تھے''۔(۸)

آپ نے ساری زندگی سخت کوشی اور جہد مسلسل کی عملی تصویر بن کر گزار دی۔آپ سول

سروس اکیڈمی میں تدریس و تربیت سے وابستہ رہے۔ جولائی ۱۹۶۴ء آپ ریڈیو پاکستان سے منسلک ہو گئے اور پندرہ سال تک مختلف عہدوں پر مختلف انواع کے پروگرام کرتے رہے۔ ۱۹۶۲ء میں حکومتِ پاکستان نے ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر 'ستارہ خدمت' سے نوازہ۔ قبل ازیں ۱۹۵۹ء میں حکومتِ ایران نے بھی شاہ ایران رضا شاہ پہلوی کی طرف سے صوفی تبسم کی علمی و ادبی و فرہنگی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے 'نشانِ فضیلت' سے نوازا۔ ریڈیو پاکستان پر آپ نے علامہ اقبال کے اشعار کی شرح و توضیح کے حوالے سے ایک گراں قدر پروگرام شروع کیا جو بہت مقبول ہوا۔ اس پروگرام کے مواد و مندرجات کو 'شرح صد شعر اقبال' کے عنوان کے تحت مرکزی اردو بورڈ لاہور نے طبع کیا۔ بعد ازاں 'رائٹرز گلڈ' کی جانب سے اس کتاب کو انعام سے بھی نوازا گیا''۔(۹)

یہ کتاب شارحین اقبال اور محققین و اساتید و طلبا میں سندِ قبولیت پانے میں کامیاب ہوئی۔ اسی دوران ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کا آغاز ہو گیا۔ صوفی تبسم کی فکرِ رسا اور پُر تاثیر قلم اس جنگ میں میجر عزیز بھٹی اور رانی توپ کے تباہ کن گولوں کا کام کرتے ہوئے ہمارے ازلی دشمن کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ انہوں نے جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہو کر اردو اور پنجابی میں جو ملی نغمے تخلیق کئے جنہوں نے نور جہاں کی پر تاثیر اقر حلاوت بھری آواز سے مہمیز پا کر پاکستانیوں کے دلوں کو گرمانے کا باعث بنے اور ان نغمات نے پوری قوم کو افواج پاکستان کے شانہ بشانہ محاذِ جنگ پر لا کھڑا کیا۔ یہ نغمات نا صرف پاکستان بھر صوفی تبسم، ایک ہمہ جہت شاعر ص ۳

میں بلکہ محاذ جنگ پر بھی گونجنے لگے۔ جناب نصر اللہ خان نے اس سحر انگیز اور اثر آفرین قلم اور آواز کے امتزاج کو بے مثال خراج تحسین پیش کیا ''۱۹۵۶ء کی جنگ میں مادام نور جہاں کی آواز میں صوفی تبسم کے نغموں نے پاکستان کے جیالے فوجیوں کو جذبے اور حوصلے کا وہ اسلحہ فراہم کیا جس کے آگے فولاد بھی گرد ہے۔ شعر و نغمے کا یہ سنجوگ پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا''۔(۱۰)

اس دور میں صوفی تبسم کے لکھے ہوئے اردو، پنجابی ملی نغمات کی تفصیل کچھ یوں ہے،

'' میریا ڈھول سپاہیا تینوں رب دیاں رکھاں''۔(۱۱)

''کیہا مٹھا مٹھا لگنا ایں وے سپاہیا''۔(۱۲)

''میرے ویرتے سایہ رب دا''۔(۱۳)

''وے سپاہیا کِنا سوہنا سوہنا دِسنا ایں وے سپاہیا''۔(۱۴)

''او ماہی چھیل چھبیلا ہائے نی کرنیل نی جرنیل نی''۔(۱۵)

''میرا سوہنا شہر قصور نی''۔(۱۶)

'' دیس ہے ساڈی شان''۔(۱۷)

'' ایہہ پتر ہٹاں تے نئیں وکدے توں لبدی پھریں بازار کڑے''۔(۱۸)

صوفی تبسم کے یہ نغمات ملی جذبات کی معراج، اثر آفرینی کا منتہا، سوز و گداز کا حسین ترین امتزاج، جسے نور جہاں کی من موہنی اور سُر آشنا آواز نے دوام اور قبول عام بخشا۔ یہ نغمات نہ صرف عوام میں بلکہ محاذِ جنگ پر مصروف پیکار مجاہدوں اور فوجی جوانوں کیدلوں کو گرمانے کے لئے آسمانی صحیفوں کا کام کرتے تھے اور بلا شبہ ان کی تاثیر میں آج بھی رتی بھر کمی نہیں آئی۔ ان یادگار ملی خدمات کے عوض میں حکومتِ پاکستان نے آپ کو ۱۹۶۷ء میں 'ستارہ امتیاز' سے نوازا۔

آپ پنجابی زبان کے معروف رسالوں 'پنجابی ادب' اور 'لہراں' کے مدیر بھی رہے۔ اسی دوران صوفی صاحب اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور میں تازہ شروع ہونے والی ایم۔اے پنجابی کی کلاس کو بھی پڑھاتے رہے۔ ۱۹۷۳ء میں آپ امریکہ یاترا پر چلے گئے واپس آ کر پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور سے وابستہ ہو گئے اور دو سال تک مختلف تحقیقی و تخلیوی و ادبی ذمہ داریاں بطریق احسن نبھاتے رہے۔ ۱۹۷۵ء میں حکومت پنجاب نے انہیں پاکستان آرٹ کونسل لاہور کا صدر بنا دیا۔ صوفی تبسم آرٹ کونسل کے صدر کے علاوہ اقبال اکادمی کے وائس چیرمین، لینگویج کمیٹی کے رکن، پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے مشیر، فیملی پلاننگ ایسوسی ایشن کے اعزازی رکن اور ماہنامہ 'سکھی گھر' کے مدیر اعلیٰ کے طور پر اپنی خدمات حیاتِ جاویداں کے آخری ایام تک کام کرتے رہے۔

صوفی تبسم، ایک ہمہ جہت شاعر ص۴

آپ کی وفاتِ حسرت آمیز کا احوال ڈاکٹر نثار احمد قریشی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

''۵، فروری ۱۹۷۸ء کو وہ پاکستان ٹیلی وژن پر علامہ اقبال کے حوالے سے ایک پروگرام کے سلسلے میں لاہور سے راولپنڈی روانہ ہوئے، ۶ فروری کو پروگرام ریکارڈ کروایا اور ۷ فروری کی صبح کو بذریعہ ریل کار راولپنڈی سے لاہور کے لئے روانہ ہوئے۔ راولپنڈی سے لاہور تک تقریباً پانچ گھنٹے کا یہ سفر بالکل ٹھیک ٹھاک گزارا۔ لاہور ریلوے سٹیشن پر ریل کار پہنچی۔ اپنے شاگرد کی مدد سے اپنا سامان اٹھا کر وہ تیز تیز سٹیشن سے باہر نکل رہے تھے کہ سیڑھیوں پر ہی دل کا شدید دورہ پڑا اور اسی لمحے دن کے ڈیڑھ بجے جناب صادق راجپوت کے ہاتھوں میں جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی اور یوں ۷، فروری ۱۹۷۸ء بروز منگل یہ ہستی ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دوسرے دن ۸، فروری بروز بدھ نماز جنازہ میں سینکڑوں افراد نے شرکت کی اور لاتعداد سوگواروں کی موجودگی میں قبرستان میانی صاحب میں دفن کئے گئے''۔(۱۹)

۷، مارچ ۱۹۸۷ء کے روزنامہ جنگ میں معروف شاعر احمد ندیم قاسمی، صوفی تبسم کے حوالے سے اُن کی اپنی موت کے بارے میں پیشین گوئی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ'' مرنا تو ہے ہی مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تھک کر نہیں مروں گا، جیسے منہ کا ذائقہ بدلا جاتا ہے اور وہ بھی ہنستے کھیلتے، چلتے پھرتے۔ میں گناہگار تو ہوں مگر اتنا بڑا گناہگار نہیں ہوں کہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مروں''۔(۲۰)

جس طرح صوفی تبسم نے عملی زندگی ہمہ جہت اور بھرپور انداز میں گزاری بعینہ ادبی زندگی میں بھی تقریباً ہر صنفِ سخن میں اردو، پنجابی اور فارسی میں شعر کہے جنہیں ہر خاص و عام نے سندِ قبولیت سے نوازا۔ ان کے اس ادبی سفر کا فنی وفکری جائزہ ذیل میں رقم کیا جاتا ہے، محمد صدیق شاد ان کے دیوانِ شعر کا تعارف کرواتے ہوئے رقمطراز ہیں،'' صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کا ایک دیوان 'انجمن' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ یہ دیوان پہلی دفعہ ۱۹۶۱ء میں چھپا، دیوان کا نام اس کی ترتیب وتدوین کا سارا کام ان کے عزیز شاگرد حنیف رامے نے انجام دیا۔ اس میں صوفی صاحب کا فارسی، اردو اور پنجابی کلام شامل ہے۔ آپ نے اپنی شاعری کا آغاز فارسی سے کیا تھا، پھر اردو اور اس کے بعد پنجابی کلام لکھنے کی نوبت آئی۔ لہذا اس مجموعے میں اس زمانی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ فارسی حصے کو 'بوی گل' کا نام دیا گیا ہے اردو کلام کو 'نالہ دل' اور پنجابی کلام کو 'دودِ چراغ' کے نام سے موسوم

کیا گیا ہے''۔(۲۱)

صوفی تبسم ایک قادر الکلام شاعر تھے آپ کی اردو نظم و غزل، فارسی غزل و رباعیات اور پنجابی نظم و ملی ترانے اور مختلف بدیسی شعراء منظوم تراجم ادبیات عالیہ کے لئے مایہ افتخار ہیں۔کلیات صوفی تبسم مطبوعہ ماورا پبلشرز لاہور کے شزرے میں ان کا تخلیقی سفر کچھ یوں بیان کیا گیا ہے،

''۱۔ انجمن (مجموعہ کلام فارسی، اردو، پنجابی مطبوعہ فیروز سنز لاہور، دوسرا ایڈیشن)،

۲۔ دامنِ دل (مجموعہ غزلیات) مطبوعہ مکتبہ عالیہ لاہور، باراول مرتبہ صوفی گلزار،

۳۔ سرشکِ تبسم (مجموعہ نظم، گیت و

صوفی تبسم، ایک ہمہ جہت شاعر ص ۵

قومی ترانے) مطبوعہ نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد مرتب صوفی گلزار احمد، نظراں کردیاں گلاں (پنجابی کلام) اسلام آباد، مرتب صوفی گلزار احمد، (۵) انتخاب کلام اقبال، مطبوعہ اقبال اکیڈمی پاکستان طبع اول ۱۹۷۷ء، (۶) انتخاب کلام امیر خسرو (طوطی شکر مقال) عکسی، مطبوعہ پیکیجز لمیٹڈ لاہور، طبع اول، (۷) اقبال اور بچے، مطبوعہ پیکیجز لمیٹڈ لاہور طبع اول، (۸) یک ہزار و یک سخن، مطبوعہ پیکیجز لمیٹڈ لاہور، طبع اول، (۹) شرح غزلیاتِ غالب (فارسی)، جلد اول و دوم، مطبوعہ پیکیجز لمیٹڈ لاہور، طبع اول (۱۰) تیر و نشتر (اقبال کے اردو اشعار) انتخاب صوفی تبسم، (۱۱) تیر و نشتر (اقبال کے فارسی اشعار)، انتخاب صوفی تبسم، (۱۲) پنجاب کی شاعری پر فارسی روایات کا اثر، مطبوعہ محکمہ تعلقات عامہ حکومت پنجاب لاہور، (۱۳) حرف و صوت، اردو، فارسی انتخاب کلام اقبال، حصہ فارسی (صوفی تبسم)، حصہ اردو (احمد ندیم قاسمی) شائع کردہ نیشنل کمیٹی برائے تقریبات صد سالہ جشن ولادت اقبال ۱۹۷۷ء، طبع اول، ۱۴۔شرح صد شعر اقبال (جلد اول اردو) مطبوعہ اردو سائنس بورڈ لاہور، طبع اول ۱۹۷۷ء (۱۵) سرا پردہ افلاک۔مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان لاہور، طبع اول ۱۹۷۷ء، (۱۶) نقش اقبال (علامہ اقبال کے فارسی کلام کا پنجابی ترجمہ) مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔(۱۷) علامہ اقبال از آقائی مجتبیٰ مینوی، مترجم صوفی تبسم، مطبوعہ اقبال اکادمی لاہور بار دوم، (۱۸) شعر فارسی معاصر (فارسی، اردو) مرتبہ صوفی تبسم، محمد حسین عرشی، شائع کردہ گلوب پبلشنگ کمپنی اندرون لوہاری دروازہ لاہور، (۱۹) روح اقبال، مطبوعہ گلوب پبلشرز اردو بازار لاہور، طبع

اول، (۲۰) زندہ نغمے، مرتبہ صوفی تبسم، میر نسیم محمود، ناصر کاظمی، مطبوعہ حامد محمود اینڈ کمپنی لاہور، طبع اول، (۲۰) دو ناٹک، (ساون رین داسفنہ۔خطرناک لوک) زیر طبع، سنگ میل پبلشرز لاہور، طبع دوم، (۲۲) جاہ و جلال، ایک ڈرامہ (اردو) زیر طبع، سنگ میل پبلشرز لاہور، طبع دوم، (۲۳) حکمت قرآن، زیر طبع، سنگ میل پبلشرز لاہور، طبع دوم، (۲۴) مسلمانوں کا علمِ جغرافیہ اور شوق سیاحت۔ زیر طبع، سنگ میل پبلشرز لاہور، طبع دوم، (۲۵) کلیات طغرائی، مرتبہ صوفی تبسم مطبوعہ مسلم پریس لاہور، طبع اول، (۲۶) دوگونہ، (امیر خسرو کی سو غزلوں کا اردو غزل میں ترجمہ) مطبوعہ نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد طبع اول، (۲۷) جھولنے، (بچوں کی نظمیں)، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور طبع اول (انعام یافتہ)، (۲۸) ٹوٹ بٹوٹ، (بچوں کی نظمیں)، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور طبع اول (انعام یافتہ)، (۲۹) ٹول مٹول، (بچوں کی نظمیں)، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور طبع اول، (۳۰) صد شعر اقبال (فارسی)، زیر طبع، مرتب صوفی گلزار احمد، (۳۱) علامہ اقبال صوفی تبسم کی نظر میں، مصنفہ صوفی تبسم مرحوم، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، مرتب، ڈاکٹر نثار قریشی۔(۲۲)

صوفی تبسم کی فارسی غزلیات فارسی ادبیات کا گراں قدر سرمایہ سمجھی جاتی ہیں۔ان کا فارسی کلام پاکستان اور ایران میں یکساں مقبولیت کا حامل ہے اور دونوں ممالک کے معروف ادبی و تحقیقی مجلّات کی زینت بنتا رہا ہے۔ایک رباعی میں صوفی وزاہدِ ریاکار پر چوٹ کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

صوفی تبسم، ایک ہمہ جہت شاعر ص ۶

صوفی ز ریا بکنجِ خلوت بنشست　　زاہد بگرفت سبحہ صددانہ بدست
بر ما بگشود چون حقیقت، دیدیم　　آن قبہ پرست بود و این جبہ پرست (۲۳)

ایک نمائندہ غزل جو اُن کے فارسی شعر پر قادر الکلامی کی سند پیش کرتی ہے،

خوشا نصیب کہ زیب کنار من باشی　　قرار و جان و دلِ بی قرار من باشی
حدیث درد و اَلم بشنوی ز راہِ کرم　　بہ چارہ سازی جانِ فگار من باشی
بساط عیش بچینی و بادہ پیمائی　　بی مستی آئی و اندر کنار من باشی (۲۴)

ان کی غزل پڑھنے والا بیک وقت خیام، حافظ، سعدی، عراقی، امیر خسرو و غالب کے فکر و

فن کا حظ اٹھاتا ہے۔

جھولنے کے عنوان کے تحت ان کے مجموعہ کلام میں بچوں کے مزاج کے پیش نظر ہلکی پھلکی سادہ نظمیں شامل کی گئی ہیں جو صوفی تبسم کا خاصہ ہے اور ان نظموں کی بنا پر انہیں حکومتِ پاکستان نے خصوصی انعام سے نوازا۔ محمد صدیق شاد جھولنے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ''صوفی تبسم کو بچوں کا شاعر کہا جاتا ہے اور یہ کہنا بے محل نا ہوگا کہ صوفی صاحب بچوں کے واحد شاعر ہیں جنہوں نے بچوں کے فطری جذبات اور احساسات کا خیال رکھتے ہوئے ان کے لئے نظمیں لکھی ہیں۔'' (۲۵)

بچوں کی نظمیں اور بچوں کے لئے کی گئی شاعری نے صوفی تبسم کو شہرت دوام بخشی، خصوصاً ٹوٹ بٹوٹ کے عنوان کے ذیل میں لکھی گئی ہلکی پھلکی سبق آموز مزاحیہ نظمیں تو زبان زدِ عام ہو گئیں۔ محمد صدیق شاد ٹوٹ بٹوٹ کے کردار کی تخلیق کے بارے میں لکھتے ہوئے کہتے ہیں، صوفی صاحب نے اپنے ایک دوست عبدالخالق کے بیٹے جسے وہ پیار سے ٹوٹ بٹوٹ کہتے تھے، کی مناسبت سے بچوں کے لئے کچھ نظمیں لکھیں جو بعد ازاں قبول عام ہوئیں اور حکومت پاکستان نے آپ کو انعام سے نوازا۔ ٹوٹ بٹوٹ کی نظموں پر تبصرہ کرتے ہوئے احمد ندیم قاسمی نے کہا تھا کہ صوفی تبسم نے ٹوٹ بٹوٹ کی تخلیق کر کے اسے بھی بچوں کی دنیا کا ایک زندہ کردار بنا دیا ہے''۔ (۲۶)

بچوں کے لئے کی گئی شاعری عام فہم، سادہ مثنوی کے انداز میں، چھوٹی بحر میں اور بچوں کی نفسیات اور دلچسپی کو پیش نظر رکھ کر کی گئی ہے۔ لگتا ہے جیسے صوفی تبسم کے اندر کے خوبصورت، حساس اور مشاہدہ کار بچے نے یہ نظمیں ان سے تخلیق کروائی ہیں۔ ان میں عذرا کی گڑیا، ایک دو تین چار، چی چی چوں چوں چا چا، ٹوٹ بٹوٹ کی موٹر کار، ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر بنائی جیسی شہرہ آفاق نظمیں شامل ہیں۔ اسی طرح آپ نے علامہ اقبال کی مشکل ترین فکری اور فلسفیانہ فارسی تخلیق 'جاوید نامہ' کا اردو میں آسان ترجمہ کیا۔ علامہ اقبال نے معروف اطالوی شاعر دانتے کی شہرہ آفاق تصنیف 'دی دیوائن کامیڈی' کے جواب میں 'جاوید نامہ' لکھی تھی۔

صوفی تبسم نے اس ترجمے کو 'سرا پردہ افلاک' کا نام دیا جو ۱۹۷۷ء ادارہ ثقافت اسلامیہ نے ولادت علامہ اقبال کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر شائع کیا۔ یہ ترجمہ فلکِ قمر، فلکِ عطارد اور فلکِ زہرہ کا عناوین کے تحت شامل کتاب ہے۔ اس صد صالہ

جشن ولادت کے موقع پر صوفی تبسم نے علامہ اقبال کی معروف اردو فارسی نظموں اور غزلوں کا انتخاب 'انتخابِ کلام اقبال' کے نام سے کیا جسے اسی سال اقبال اکادمی لاہور نے شائع کیا۔ اس انتخاب کا دیباچہ خود صوفی تبسم نے لکھا۔ علامہ اقبال کی صد سالہ تقریباتِ ولادت کے حوالے سے 'نقشِ اقبال' کے عنوان سے علامہ اقبال کے معروف فارسی کلام کا منظوم پنجابی ترجمہ کیا جسے اقبال اکادمی پاکستان لاہور نے شائع کیا۔ علامہ اقبال کی نظم 'غلامی' کے فارسی اشعار اور ان کا منظوم پنجابی ترجمہ ملاحظہ کیجئے،

آدم از بی بصری بندگی آدم کرد گوہری داشت ولی نذر قباد و جم کرد
یعنی از خوی غلامی زسگان خوارتر است من ندیدم کہ سگی پیش سگی سر خم کرد (۲۷)

اس نظم کا صوفی صاحب کا کیا ہوا پنجابی ترجمہ ملاحظہ کیجئے،

آدمی بے عقلی دے ہتھوں جھکتے آدم اگے
جنڈڑی اوہدی سندر ہیرا، دھر دیندا جم اگے
وچ غلامی کُتیاں توں وی ودھ ذلیل ہو جاندا
ویکھیا کوئی کُتا ، کُتے اگے سیس نواندا (۲۸)

صوفی تبسم نے بحیثیت مترجم بھی خوب نام کمایا اور بہت سے شاہکار تراجم کئے، ''آپ نے چیک ڈرامہ نگار کیسرل چیپک کے معروف ڈرامے 'پاور اینڈ گلوری' کا 'جاہ وجلال' کے نام سے اردو ترجمہ کیا جسے ڈرامیٹک کلب گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل جی۔ ڈی سوندھی نے لکھوایا۔ اسی طرح آپ نے شیکسپیئر کے مشہور ڈرامے 'اے مڈسمر نائٹس ڈریم' کا پنجابی ترجمہ 'ساون رین دا سفنہ' اور شیلے ڈیوکس کے انگریزی ڈرامے 'سچ مین آر ڈینجرس' کا پنجابی ترجم، ہ 'خطرناک لوک' کے عنوان سے کیا۔ ان ڈراموں کو میاں محمد بخش کشتہ اینڈ ناشران کتب ۴ ٹیمپل روڈ لاہور اور ایم جہانگیر اینڈ کمپنی ایجوکیشنل پبلشرز اردو بازار لاہور نے شائع کیا''۔(۲۹)

صوفی تبسم نے اردو، فارسی کے کلاسیکل اور جدید شعراء کا کلام 'یک ہزار و یک سخن' اپنے ہاتھ سے لکھ کر مرتب کیا جسے پیکیجز لمیٹڈ لاہور نے شائع کیا۔ اس انتخاب میں صوفی تبسم کے اردو،

فارسی شعری ذوق کی بھر پور جھلک نظر آتی ہے۔ اس طرح شرح صد شعر اقبال، شرح دیوانِ غالب (فارسی)، مطبوعہ سہگل فاونڈیشن سال ۱۹۷۱ء، کلیاتِ طغرائی، دوگونہ، حکمتِ قرآن، مختلف شعرائے کلام کی شروح، انتخابِ شعر اور بہت سی درسی کتب آپ کی تالیفات کے ذیل میں شمار ہوتی ہیں۔ آپ کے اردو کلام سے نمونہ کے طور پر کچھ اشعار پیش ہیں جن سے آپ کے شعری مقام و انداز کو سمجھنا آسان ہو جائے گا، مثلاً ایک نعت جس میں آپ کا تلمیحاتِ قرآنی کے استعمال پر تسلط اور عشقِ رسول ﷺ میں وارفتگی اور شعری چاشنی ملے گی جو آپ کی شاعری کا لازمہ اور خاصہ سمجھا جاتا ہے،

صوفی تبسم، ایک ہمہ جہت شاعر ص ۸

ثنا خواں کس طرح ہو کوئی اس محبوبِ یکتا کا
زباں میں یہ کہاں قدرت، قلم کو یہ کہاں یارا
وہ جس کے علم کی تفسیر 'اَلَم نشرَح لکَ صدرَک'
وہ جس کے اوج کی تعبیر 'سُبحان الذی اَسریٰ' (۳۰)

چھوٹی بحر کی ایک غزل کا بے ساختہ پن ملاحظہ ہو،

چارہ گر کی، نہ غم گسار کی بات اور ہے جانِ سوگوار کی بات
دل پہ ہوتا ہے اختیار کسے ؟ چھوڑ دو دل پہ اختیار کی بات
تلخیِ روزگار میں ڈوبی کتنی شیریں تھی تیر پیار کی بات (۳۱)

ترانہ ملی کے عنوان سے لکھے ایک ملی نغمے کی سادگی اور اثر انگیزی ملاحظہ کیجئے،

بڑھے چلو بڑھے چلو بڑھے چلو بلند ہمتیں لئے
سپاہیو؛ بڑھے چلو
بہادرو؛ بڑھے چلو
بڑھے چلو بڑھے چلو
بڑھے چلو بڑھے چلو بڑھے چلو
یہی تمہاری شان ہے

اسی میں ساری آن ہے
یہی عمل کی جان ہے
بڑھے چلو بڑھے چلو بڑھے چلو (۳۲)

صوفی تبسم کی اردو، فارسی اور پنجابی میں ادبی خدمات کے پیشِ نظر انہیں 'جگت استاد' کے عوامی خطاب سے نوازا گیا جو ان کی گراں بہا ادبی و علمی خدمات کا احسن اعتراف ہے۔ مندرج بالا معروضات کی روشنی میں یہ کہنا قطعاً بے جا نہ ہوگا کہ صوفی تبسم ایک ہمہ جہت، نابغہ روزگار اور فقید المثال شاعر تھے جو اپنے ہم عصر شعرا کے بوستان میں گلِ سرِ سبد کی مانند تھے، نا صرف کئی زبانوں پر تسلط رکھتے تھے بلکہ اردو، فارسی اور پنجابی میں یکساں مہارت اور ملکہ حاصل تھا، تاریخ ادبیات میں معدودے چند ایسی صاحب کمال ہستیاں ملتی ہیں۔

صوفی تبسم، ایک ہمہ جہت شاعر ص ۹

☆☆☆☆

حوالہ جات:

۱۔ شاد، محمد صدیق، صوفی تبسم کی اردو شاعری، مقالہ تحقیقی ایم۔اے اردو، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۷

۲۔ قریشی، ڈاکٹر نثار احمد، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم حیات و خدمات، مُقتدرہ قومی اردو زبان اسلام آباد پاکستان، ۲۰۰۸ء ص ۴۷

۳۔ شاد، محمد صدیق، صوفی تبسم کی اردو شاعری، ص ۹

۴۔ ایضاً، ص ۹

۵۔ قریشی، ڈاکٹر نثار احمد، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم حیات و خدمات، ص ۱۱

۶۔ تبسم، صوفی غلام مصطفیٰ، کلیات صوفی تبسم، ماورا پبلشرز لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۷

۷۔ شاد، محمد صدیق، صوفی تبسم کی اردو شاعری، ص ۱۶

۸۔ قریشی، ڈاکٹر نثار احمد، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم حیات و خدمات، ص ۲۵

۹۔ ایضاً، ص ۸۹

۱۰۔ نصر اللہ خان، مجلّہ راوی، گورنمنٹ کالج لاہور، شمارہ مارچ ۱۹۵۸ء، ص ج

۱۱۔ تبسم، صوفی غلام مصطفیٰ، کلیات صوفی تبسم، ص ۶۰۹

۱۲۔ ایضاً، ص ۶۱۰ ۱۳۔ ایضاً، ص ۶۱۱ ۱۴۔ ایضاً، ص ۶۱۲

۱۵۔ ایضاً، ص ۶۱۳ ۱۶۔ ایضاً، ص ۶۱۴ ۱۷۔ ایضاً، ص ۶۱۵

۱۸۔ ایضاً، ص ۶۱۷

۱۹۔ قریشی، ڈاکٹر نثار احمد، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم حیات و خدمات، ص ۵۱

۲۰۔ قاسمی، احمد نسیم، روزنامہ جنگ راولپنڈی، ۱۷ مارچ ۱۹۷۹ء، ادارتی صفحہ

۲۱۔ شاد، محمد صدیق، صوفی تبسم کی اردو شاعری، ص ۱۶

۲۲۔ تبسم، صوفی غلام مصطفیٰ، کلیات صوفی تبسم، ص ۱۰ تا ۱۲

۲۳۔ ایضاً، ص ۴۷۵ صوفی تبسم، ایک ہمہ جہت شاعر ص ۱۰

۲۴۔ تبسم، صوفی غلام مصطفیٰ، کلیات صوفی تبسم، ص ۴۲۷

۲۵۔ شاد، محمد صدیق، صوفی تبسم کی اردو شاعری، ص ۱۷

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۸

۲۷۔ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال (فارسی)، پیام مشرق، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۲۸۵

۲۸۔ تبسم، صوفی، نقشِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۹۷

۲۹۔ قریشی، ڈاکٹر نثار احمد، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم حیات و خدمات، ص ۱۱۱

۳۰۔ تبسم، صوفی غلام مصطفیٰ، کلیات صوفی تبسم، ص ۶۳

۳۱۔ تبسم، صوفی غلام مصطفیٰ، کلیات صوفی تبسم، ص ۱۶۵

۳۲۔ تبسم، صوفی غلام مصطفیٰ، کلیات صوفی تبسم، ص ۳۶۸

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 36, Sr.No.98, 2015, pp 35 - 52

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۶، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۵ء، شمارہ ۹۸

کلیاتِ مجید امجد کی تدوین اور ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

طارق حبیب☆

Abstract:

Editting and compilation of some one's work is very much important, as well as difficult and complicated job. This is the basic work, which opens the doors of real recognition and appriciation of the Artists and provides the different angles of criticism. Dr. Khawaja Muhammad Zakaria is a well known critic, researcher and worthy teacher of urdu language and literature. He collected, editted and compiled the whole poetry of Majeed Amjad from 1932 to 1974. This is the unforgetable service and real contribution in the history of Urdu Literature. Here is an anylesi and a few words of appriciation for his literary contribution.

Key words: Modern Urdu Poetry, Majeed Amjad, Kulliyat, Compilation, Dr. Khawaja Muhammad Zakariya.

ڈاکٹر وزیر آغا کے بعد مجید امجد کے حوالے سے اگر کسی کی خدمات سرِ فہرست ہیں، تو یہ اعزاز یقیناً پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا ہی کو میسر ہے۔ ''کلیاتِ مجید امجد'' کی تحقیق و تدوین و ترتیب کا کام ہی اتنا گراں قدر ہے کہ جو تاریخِ ادب میں خواجہ صاحب کی توقیر کا ضامن رہے گا۔

☆ لیکچرار شعبہ اُردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

عبدالمجید، قلمی نام مجید امجد ([پیدائش: ۲۹۔ جون ۱۹۱۴ء ۔ جھنگ] ۔[وفات: ۱۱۔مئی ۱۹۷۴ء ۔ ساہی وال ۔منٹگمری]۔[تدفین: ۱۲۔مئی ۱۹۷۴ء ۔ جھنگ]) کے فکر وفن کی تفہیم کے لیے اب تک دوسو سے زیادہ مضامین قلم بند کیے جاچکے ہیں ۔(۱) کئی اہم شعرا نے مجید امجد کو منظوم خراجِ تحسین پیش کرکے بھی اعزاز حاصل کیا ہے۔ (۲) مختلف ادبی رسائل کے آٹھ مجید امجد نمبر(۳) اور پاکستان میں مجید امجد پر باقاعدہ دس کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں(۴)، جن میں سے ایک کتاب ڈاکٹر وزیر آغا[۱۸۔مئی ۱۹۲۲ء۔/ ۰۷۔ستمبر ۲۰۱۰ء۔وزیرکوٹ ،ضلع سرگودھا] کے سات مضامین کا مجموعہ ہے، جو وقتاً فوقتاً مختلف رسائل اور ڈاکٹر وزیر آغا کی مختلف تنقیدی کُتُب کی زینت بنتے رہے ہیں۔ اِن ساتوں مقالات کو''مجید امجد کی داستانِ محبت'' کے نام سے ترتیب دے کر ۱۹۹۱ء میں پہلی بارشائع کیا گیا۔ اِس کتاب کی اب تک تین اشاعتیں منظرِ عام پر آچکی ہیں (۵)۔ سب سے اہم بات یہ کہ مجید امجد کی تفہیم کے سلسلے کی یہ پہلی باقاعدہ کتاب کا درجہ بھی رکھتی ہے اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ مجید امجد کی تفہیم میں یہ کتاب، بعد کے ناقدینِ مجید امجد کے لیے راہ نمااور بنیادی تنقیدی ماخذ ثابت ہوئی (۶)۔ کچھ کتابیں(۷) اور رسایل(۸) ایسے بھی ہیں، جن میں مجید امجد کے حوالے سے خصوصی گوشے شامل کیے گئے ۔ مجید امجد کی شخصیت اورفکر وفن پرمختلف یونیورسٹیوں کے تحت ایم اے اور ایم فل (اُردُو) کے متعددسندی مقالات بھی لکھے جا چکے ہیں اور یہ سلسلہ ابھی تا دیر جاری رہنے کا امکان ہے۔ پاکستان میں مجید امجد پر پی ایچ ڈی (اُردُو) کا مقالہ بھی قلم بند ہوچکا ہے (۹) اورمجید امجد کی نظموں کے فارسی، انگریزی،اطالوی اور نارویجن زبانوں میں ترجمے بھی ہوچکے ہیں۔ (۱۰) مجید امجد شناسی اب ایک باقاعدہ مضمون اورموضوع کی شکل اختیار کرچکی ہے اور مجید امجد شناسی میں ایک اہم نام ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کا بھی ہے۔

☆

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا [۲۳۔ مارچ ۱۹۴۰ء۔ امرت سر]اُردُو زبان و ادب کی ایک نام وَر شخصیت ہیں۔ اوری اینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور کے نہایت قابل اورمقبول اُستاد کی حیثیت و شہرت کے حامل ہیں۔ اُن کی علمی تخصیص کے کئی پہلو ہیں، مثلاً: اکبرالہ آبادی، علامہ محمد اقبال اور مجید امجد شناسی میں اُنھیں ایک خاص اعتبار حاصل ہے۔اُن کی معروف تصانیف میں''قدیم اصنافِ

شعر‘‘(۱۹۶۷ء)،’’نئے پرانے خیالات‘‘(۱۹۷۰ء)،’’اُردُو میں قطعہ نگاری‘‘(۱۹۷۵ء)،’’پریم چند کے بہترین افسانے‘‘ (۱۹۷۷ء) ، ’’اقبال کا ادَبی مقام‘‘ (۱۹۷۷ء) ، ’’اَن گنت سورج‘‘(۱۹۸۰ء)، ’’اکبر الہ آبادی؛ تحقیقی و تنقیدی مطالعہ‘‘ (۱۹۸۰ء)،’’کلیاتِ مجید امجد‘‘ (۱۹۸۸ء)، ’’اُردو فار بگنرز‘‘ (۱۹۸۹ء)،’’تفہیمِ بالِ جبریل‘‘ (؟) ، ’’چند اہم جدید شاعر‘‘ (۲۰۰۳ء)شامل ہیں۔

کلیاتِ مجید امجد کی تدوین و ترتیب کا کام بھی دو مرتبہ کیا گیا ہے اور دونوں اشاعتوں کی اپنی اپنی اہمیت ہے۔’’کلیاتِ مجید امجد‘‘ کے علاوہ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی ایک کتاب : ’’چند اہم جدید شاعر‘‘ مارچ ۲۰۰۳ء میں لاہور سے شائع ہوئی ، اِس کتاب میں پندرہ مضامین شامل کیے گئے ہیں، جو دو حصوں میں منقسم ہیں : دس مضامین پر مشتمل پہلا حصہ : ’’آئینوں کا سمندر‘‘ (۱۱)اور پانچ مضامین پر منحصر دوسرا حصہ:’’کون دیکھے گا؟‘‘ کے نام سے ترتیب دیے گئے ہیں۔جن میں سے پانچ مضامین (چار مضامین اور ایک انٹرویو) مجید امجد سے متعلق ہیں، جو ایک گوشے کے طور پر ’’کون دیکھے گا؟‘‘ کے زیرِعنوان شامل کیا گیا ہے، یہ عنوان مجید امجد کے ایک شعر سے ماخوذ ہے:

مَیں روز ادھر سے گزرتا ہوں، کون دیکھتا ہے
مَیں جب ادھر سے نہ گزروں گا، کون دیکھے گا

مجید امجد پر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی ایک اور تحریر بھی ہمارے پیشِ نظر ہے ، جو مذکورہ بالا کتاب میں تو شامل نہیں ۔ تاہم یہ ایک لیکچر ہے ، جو اُنھوں نے گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں دیا تھا۔’’مجید امجد کے ہاں ہیئتوں کا مطالعہ‘‘ کے نام سے اِس مقالے کی ترتیب کا فریضہ افضال احمد نے انجام دیا اور بعد ازاں یہ ماہنامہ ’’محفل‘‘ لاہور کے ’’مجید امجد نمبر‘‘ (۱۲) میں شائع ہوا۔’’محفل‘‘ کے ’’مجید امجد نمبر‘‘میں ڈاکٹر صاحب کے یوں تو دو مضامین شائع ہوے تھے، دوسرا مضمون: ’’مجید امجد اور آزاد نظم‘‘(۱۳) کے عنوان سے ہے(۱۴)، تاہم یہ مضمون اُن کی کتاب : ’’چند جدید اہم شاعر‘‘ میں شامل ہو چکا ہے۔ اِس کے علاوہ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے مجید امجد کی ایک نظم : ’’زینب‘‘ کا تجزیہ بھی کیا ہے، جو سہ ماہی : ’’القلم‘‘ جھنگ، میں شائع ہوا(۱۵)۔نیز ڈاکٹر وزیر آغا کی کتاب: ’’مجید امجد کی داستانِ محبت‘‘ کے دیباچہ جو ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے تحریر کیا ، ایک اہم مضمون کی

حیثیت رکھتا ہے ۔ یوں اِس دیباچے سمیت سات مضامین کے عنوانات اورڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی مجید امجد شناسی سے متعلق بحث کی ترتیب کچھ یوں ہے:

۱۔ مجید امجد کے بارے میں
۲۔ مجید امجد کی شبِ رفتہ
۳۔ مجید امجد کا نظریۂ کائنات
۴۔ مجید امجد اور آزاد نظم
۵۔ مجید امجد کے ہاں ہیئتوں کا مطالعہ
۶۔ مجید امجد کی نظم :''زینب'' کا تجزیہ
۷۔ دیباچہ:''مجید امجد کی داستانِ محبت''

مضمون کی طوالت کے پیشِ نظر مجید امجد سے متعلق ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے تنقیدی افکار کی بحث ایک دوسرے اور الگ مضمون پر اُٹھا رکھتے ہیں ، جب کہ یہاں''کلیاتِ مجید امجد'' کی تدوین و ترتیب (''تدوینِ اوّل'' اور''طبعِ نو'') پر بات کی جارہی ہے۔

''کلیاتِ مجید امجد'' کی ترتیب و تدوین یقیناً ایک ناقابلِ فراموش علمی ، ادَبی و تحقیقی خدمت ہے۔محققانہ اوصاف میں یہ بات بے حد اہم تصوُّر ہوتی ہے کہ محقق اپنی ہی دریافت اور اپنے قائم کردہ نتائج سے مطمئن نہ ہواور اپنے ہی نتائج میں ترمیم کا حوصلہ رکھتا ہو ، تاہم یہ الگ بات ہے کہ دوسرے لوگ مذکورہ محقق کے قائم کردہ اوّلین نتائج سے متفق ہوتے ہیں، یا بعد کے نتائج کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے بھی''کلیاتِ مجید امجد'' کی ترتیب کا کام دو بار انجام دیا ہے۔ یقیناً وہ پہلی ترتیب و تدوین سے خود زیادہ مطمئن نہ ہوں گے، کہ اُنھوں نے دوسری بار ایک مختلف ترتیب سے مجید امجد کا کلام مرتَّب کیا اور اِسے چار حصوں میں بانٹ کر دیکھا۔

سات سو چوبیس صفحات پر محیط ،'کلیاتِ مجید امجد'' پہلی بار ۱۹۸۸ء میں ماورا پبلشرز ،۳۔ بہاول پور روڈ،لاہور سے شائع ہوکر منظرِ عام پر آیا(۱۶)، تزئین و اہتمام: خالد شریف ، جب کہ اِس کی اشاعت کا شرف کمبائن پرنٹرز، لاہور کے حصے میں آیا۔کلیات کی قیمت مبلغ اڑھائی سو روپے مقرر ہوئی۔شروع میں''عرضِ ناشر'' کے عنوان سے ایک تعارُفی صفحہ جنابِ خالد شریف نے

تحریر کیا(۱۷)، پھر منظوماتِ مجید امجد کی فہرست ہے۔ فہرست کے بعد ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے لکھے ہوے ''پیش لفظ'' ہیں، جن کے آخر میں ۲۲۔مئی ۱۹۸۸ء کی تاریخ درج ہے اور ایک مختصر تحریر؛ ''مجید امجد (سوانحی خاکہ)'' کے عنوان سے ہے۔اِس کے بعد غزلوں ،نظموں پر مشتمل مجید امجد کی چار سو اڑتیس منظومات ہیں۔ ماورا پبلشرز ہی سے اِس پہلی ترتیب کی دوسری اشاعت ۱۹۹۱ء میں ممکن ہوسکی(۱۸)اور اب کی بار اِس کی قیمت ساڑھے تین سو روپے طے پائی، جب کہ بقیہ کوائف وہی ہیں۔سرورَق پر سفید زمین اور وسط میں فطرت کو سرسبز پتوں کی صورت میں دکھایا گیا ہے ، جب کہ پشت سرورَق پر مجید امجداور ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی ایک یادگار تصویر شائع کی گئی ہے۔

''پیش لفظ'' میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے مجید امجد کے کلام کی وقتاً فوقتاً اشاعت پر روشنی ڈالی ہے۔ مجید امجد کی زندگی میں اُن کا ایک ہی مجموعۂ کلام :''شبِ رفتہ'' ۱۹۵۸ء میں نیا ادارہ، لاہور سے شائع ہوا۔اِس کے بعد اُن کی زندگی میں اُن کا کوئی دوسرا مجموعہ شائع نہ ہوا۔ اِس ضمن میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> ''مَیں نے متعدد بار امجد صاحب سے دوسرے مجموعے کی اشاعت کا تقاضا کیا، کچھ پبلشروں سے اپنے طور پر بات بھی کی اور وہ مجموعے کی اشاعت پر تیار بھی ہوگئے،لیکن غالباً پہلے مجموعے کی اشاعت کا تجربہ اُن کے لیے خوش گوار نہیں تھا، اِس لیے وہ گریز کرتے تھے۔ اُنھیں یہ خیال ہوچلا تھا کہ پاکستان میں لوگوں کو سنجیدہ شعر و ادب کے مطالعے سے کوئی دل چسپی نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اُن کا خیال درست ہے۔'' (۱۹)

تاہم اِس عدم دل چسپی کے پس منظر میں کچھ اور حقائق بھی ہوں گے، جن کی دریافت اپنی جگہ اہم تصوُّر کی جاے گی۔''شبِ رفتہ کے بعد'' مجید امجد کا دوسرا مجموعۂ کلام ہے، جو اُن کی وفات (۱۹۷۴ء) کے بعد ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا۔ اِس کے بعد مختلف لوگوں نے کئی مجموعے منتخب کلام کے حوالے سے شائع کیے، جن کا ذکر ڈاکٹر صاحب نے پیش لفظ میں کیا، درج ذیل ہیں:

''مرے خدا مرے دل''	مرتبہ: تاج سعید
''چراغِ طاقِ جہاں''	مرتبہ: تاج سعید

''گلاب کے پھول''	مرتبہ:	محمد حیات سیال
''طاقِ ابد''	مرتبہ:	شمیم حیات سیال
''مرگِ صدا''	مرتبہ:	ڈاکٹر محمد امین
''اَن گنت سورج''	مرتبہ:	ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا(۲۰)
''لوحِ دل''(کلیات)	مرتبہ:	تاج سعید(۲۱)

درج بالا معلومات ''کلیاتِ مجید امجد'' کے پیش لفظ میں دی گئی ہیں۔ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے ''کلیاتِ مجید امجد'' کے پیش لفظ میں مرتّب کی حیثیت سے کچھ بنیادی معلومات تو ضرور فراہم کردی ہیں، تاہم ضرورت اِس امر کی تھی کہ '' کلیاتِ مجید امجد'' کا ایک مبسوط اور محققانہ مقدمہ قلم بند کیا جاتا، جس میں مجید امجد کے کلام کی اشاعتوں کی تفصیل اور مکمل حقائق درج کیے جاتے کہ کون سا مجموعہ ، کب ، کیسے اور کہاں سے کتنی ضخامت کے ساتھ شائع ہوا؟ اِس کے مرتبین کتنے اور کون کون تھے؟ جو کلیات وہ خود مدوّن کررہے ہیں، اُس میں کتنی منظومات شامل کی جا رہی ہیں؟ اِن منظومات میں کون کون سی صنف شامل ہے؟ غزلوں ، پابند نظموں ، آزاد نظموں کی الگ الگ تعداد کیا ہے؟ممکن ہے کہ وقت کی کمی یا کسی اور وجہ سے اُنھوں نے تفصیل میں جانے سے گریز کیا ہو،مگر یہ بھی درست ہے کہ پیش لفظ میں وہ ایک محقق و مدوّن کی مکمل ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکے۔ یہ کمی اپنی جگہ،مگر اِس کے باوجود''کلیاتِ مجید امجد'' کی ترتیب و تدوین جیسی گراں قدر محققانہ خدمت سے انکار ممکن نہیں۔

''کلیاتِ مجید امجد'' تدوینِ اوّل میں چار سو اڑتیس منظومات شامل ہیں، جو صفحہ : اکتالیس سے سات سو چوبیس صفحات تک پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ منظومات زمانی ترتیب سے دی گئی ہیں اور فہرست میں منظومات کے عنوانات کے ساتھ تاریخِ تخلیق بھی درج کردی گئی ہے ۔ پہلی نظم :''موجِ تبسّم'' ہے، جو۱۹۳۲ء کی تخلیق ہے، جب کہ کلیات کے آخر میں غزل :''نئی صبحوں کی سیر کا یہ خیال'' شامل ہے، جس کا زمانۂ تخلیق ۱۹۷۴ء درج کیا گیا ہے۔ چار سو اڑتیس منظومات میں سے غزلوں کی تعداد ساٹھ ، جب کہ پابنداور آزاد نظمیں تین سو اٹھتر کی تعداد میں موجود ہیں۔ تاریخی اور زمانی اعتبار سے منظوماتِ مجید امجد مرتّب کرنا ایک نہایت عمدہ اور شان دار علمی خدمت ہے، کسی شاعر

کے فکری و فنی ارتقا کو سمجھنے کے لیے اِس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔

''کلیاتِ مجید امجد'' تدوینِ اوّل کی مزید دو اشاعتیں بھی عمل میں آئیں، یعنی اِسے ماورا پبلشرز سے کُل چار مرتبہ شائع کیا گیا، تاہم ہر اشاعت پر صرف سالِ اشاعت ہی مختلف ہے، باقی ''کلیات'' کے مندرجات میں کوئی تبدیلی وقوع پذیر نہیں ہوئی (۲۲)۔

اوراب ''کلیاتِ مجید امجد؛ طبعِ نو'':

سات سو چوبیس صفحات پر ہی محیط ،'کلیاتِ مجید امجد (طبعِ نو)'' پہلی بار ستمبر ۲۰۰۳ء میں الحمد پبلی کیشنز، رانا چیمبرز، سیکنڈ فلور، چوک پرانی انارکلی، لیک روڈ، لاہور سے شائع ہوا۔ ''طبعِ نو'' کی اشاعت ،''تحقیق ، تدوین ، ترتیب : ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا'' کے زیرِ عنوان ہوئی۔ اِس کی دوسری اشاعت : ستمبر ۲۰۰۶ء ، تیسری اشاعت : مارچ ۲۰۱۰ء اور چوتھی اشاعت : ۲۰۱۴ء میں منظرِ عام پر آئی۔ اِس کی تزئین و اہتمامِ اشاعت: صفدر حسین نے کی، جب کہ اِس کی اشاعت کا اعزاز حاجی حنیف پرنٹرز ، لاہور کو میسر آیا۔ اِس کا سرورَق معروف سرورَق ڈیزائنر ''ریاظ'' نے بنایا ، جو مختلف رنگوں سے مزیّن فطرت کی عکاسی ، کچھ زوال ، کچھ مایوسی ، کچھ امید پر مشتمل ہے۔ پشت سرورَق پر مجید امجد کی ایک پاسپورٹ سائز تصویر اور ڈاکٹر سیّد عبداللہ ، ڈاکٹر وزیر آغا، سیّد جعفر طاہر، شہزاد احمد اور امجد اسلام امجد کی آرا شائع کی گئی ہیں۔ سرورَق کے بازوؤں (اندرونی حصہ/ جیکٹ) پر مجید امجد کی معروف نظم :''بُندا'' (کاش میں تیرے بُنِ گوش میں بُندا ہوتا) اور دوسرے بازو پر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے مختصر کوائف درج کیے گئے ہیں۔طبعِ نو کے ناشر کے مطابق کلیات کی ہر اشاعت ایک ہزار کی تعداد میں ہوئی۔ تاہم اب کلیات کی قیمت بڑھ کر مبلغ چھ سو روپے تک پہنچ چکی ہے۔ آغاز میں بیس صفحات کی فہرست اور پھر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کا لکھا ہوا ''دیباچہ (طبعِ نو)'' ہے اور آخر میں ۰۶۔ستمبر ۲۰۰۳ء کی تاریخ درج ہے ۔''تدوینِ اوّل'' میں شامل ''پیش لفظ'' ، موجودہ ''کلیاتِ مجید امجد(طبعِ نو)'' میں شامل نہیں کیے گئے۔البتہ ''مجید امجد (سوانحی خاکہ)'' کے عنوان سے تحریر من و عن ''تدوینِ اوّل'' سے مستعار ہے۔اِس کے بعد کتاب کے آخر تک غزلوں ،نظموں پر مشتمل مجید امجد کی منظومات ہیں، جنھیں چار حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے اور اہم بات یہ ہے کہ ''طبعِ نو'' میں چودہ منظومات کا اضافہ ہے۔

''کلیاتِ مجید امجد(تدوینِ اوّل)'' میں منظوماتِ مجید امجد کی تعداد چار سو اڑتیس ہے، جب کہ ''کلیاتِ مجید امجد(طبعِ نو)'' میں یہ تعداد بڑھ کر چار سو باون ہوگئی ہے(۲۳)، گویا چودہ منظومات کا اضافہ ہوا ہے۔کلیات کی پہلی تدوین میں یہ منظومات زمانی ترتیب سے دی گئی ہیں اور فہرست میں منظومات کے عنوانات کے ساتھ تاریخِ تخلیق بھی درج کردی گئی ہے۔''طبعِ نو'' میں بھی ہر شعر پارے کے ساتھ تاریخِ تخلیق موجود ہے۔فرق یہ ہے کہ ''طبعِ نو'' میں کلیات چار حصوں میں منقسم ہے۔ یہاں مجید امجد کے اپنے مرتّب کردہ شعری مجموعے :''شبِ رفتہ'' کو من وعن سب سے پہلے جگہ دی گئی ہے اور منظومات کی ترتیب زمانی کردی گئی ہے، جب کہ ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں یہ ترتیب توفیقی تھی۔''شبِ رفتہ'' میں ۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۸ء تک کا منتخب کلام شامل کیا گیا تھا۔ اِس کے بعد''روزِ رفتہ'' کے نام سے دوسرا حصہ ہے، جس میں آغاز سے ۱۹۵۸ء تک کا وہ کلام شامل کیا گیا ہے، جو''شبِ رفتہ'' میں مجید امجد نے شامل نہ کیا تھا۔ اِس کے بعد''اِمروز'' اور''فردا'' کے حصے ہیں، جو''کلیاتِ مجید امجد (تدوینِ اوّل)'' ہی کی ترتیب کے مطابق ہیں۔تفصیل ملاحظہ فرمایئے:

۱۔	شبِ رفتہ	۱۹۳۲ء	تا	۱۹۵۸ء
۲۔	روزِ رفتہ	۱۹۳۲ء	تا	۱۹۵۸ء
۳۔	اِمروز	۱۹۵۸ء	تا	۱۹۶۸ء
۴۔	فردا	۱۹۶۸ء	تا	۱۹۷۴ء

''تدوینِ اوّل'' کی چار سو اڑتیس منظومات میں ساٹھ غزلیں ، جب کہ ''طبعِ نو'' کی چار سو باون منظومات میں غزلوں کی تعداد اُنسٹھ ہے۔کلیات کی ''تدوینِ اوّل'' میں ۱۹۷۴ء کی ایک غزل: ''یہ دِن یہ تیرے شگفتہ دنوں کا آخری دن'' ،کلیات کی ''طبعِ نو''میں نظم کے طور پر شائع کی گئی ہے، جو دونوں کلیات میں صفحہ نمبر: ۲۰۷ پر موجود ہے؛یوں ''طبعِ نو'' میں پابنداور آزادنظموں کی تعداد تیرہ نظموں کے اضافے اور ایک غزل کی نظم میں تبدیلی کے ساتھ تین سو بانوے ہوگئی ہے۔

مذکورہ بالا چاروں حصوں کے عنوانات قائم کرکے،''دیباچہ طبعِ نو''میں کلامِ مجید امجد کو اِن حصوں میں بانٹنے کا جواز پیش کیا گیا ہے اور پیش کیے گئے نقطۂ نظر کی روشنی میں یہ تقسیم یقیناً بے جواز دکھائی نہیں دیتی ؛ تاہم اِس تقسیم میں فرق صرف پہلے دوحصوں کی منظومات کی ترتیب ہی کا

ہے۔ راقم کے خیال کے مطابق ''کلیاتِ مجید امجد'' کی تدوینِ اوّل ،تنقیدی وتحقیقی لحاظ سے زیادہ بہتر ہے اور اِس میں کئی اعتبار سے زیادہ فواید ہیں؛ نیز ادب کے عام قارئین اورعمومی طلبہ کے لیے بھی اِس (۱۹۳۲ء سے۱۹۷۴ء تک) مستقیم ترتیب میں زیادہ سہولتیں اور آسانیاں ہیں۔

جہاں تک ''کلیاتِ مجید امجد (طبعِ نو)'' کا تعلق ہے، اِس کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلّم اور نہایت مفید ہے؛ تاہم اِسے ادب کے خصوصی قارئین ، ناقدین اور طلبہ محققین کے لیے ایک اضافی نسخہ سمجھنا چاہیے۔ ''کلیاتِ مجید امجد (طبعِ نو)'' کی ترتیب میں مجید امجد کی خواہش کا احترام بھی محقق ومرتّب کے پیشِ نظر رہا ہے؛ لہٰذا اِس حوالے سے اِس کی اہمیت تاریخی بھی ہے اور یادگار بھی ؛ اِس میں ''شبِ رفتہ'' اپنی ابتدائی شکل میں موجود ہے، پھر شبِ رفتہ کے ہی زمانی عرصے کا کلام ''روزِ رفتہ'' کے عنوان سے محفوظ کردیا گیا ہے اور اِسی حصے میں تیرہ نظموں کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ تیسرا حصہ جو ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۸ء تک کی تخلیقات اور مجید امجد کی بعض نہایت اہم اور معروف نظموں پر مشتمل ہے ،''اِمروز'' کے نام سے شامل ہے، جب کہ آخری دور کی ایک ہی بحر کی ایک سو اُناسی نظمیں ''فردا'' کے عنوان کے تحت شاملِ کلیات کی گئی ہیں۔ ''کلیاتِ مجید امجد (طبعِ نو)''، میں چاروں حصوں کے قائم کیے گئے عنوانات کی اہمیت اور معنویت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ،خصوصاً ''فردا''، جو یقیناً آنے والے کل کی نظمیں ہیں، اُن کے لیے ''فردا'' کا عنوان ہی صائب اور موزوں ہوسکتا تھا، اِس کی داد علاحدہ سے مرتّب کا حق ہے۔

اِس تمام پس منظر میں ''کلیاتِ مجید امجد (طبعِ نو)''، کی اہمیت و اِفادیت کا اعتراف بھی ضروری ہے اور جہاں تک عمومی قارئین کا تعلق ہے ، اُس کے لیے ''کلیاتِ مجید امجد (تدوینِ اوّل)''، ہی زیادہ کارآمد اور مفید طلب نسخہ ہے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں طرح کے نسخے ہی اشاعت کے مرحلوں سے گزرتے رہیں، تاکہ جس طرح کے قارئین کو جس طرح کا ''کلیاتِ مجید امجد'' درکار ہو، وہ حاصل کرسکیں۔

اب دو ایک اعتراضات کا ذکر بھی ادب کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں: '' دیباچہ طبعِ نو'' میں ''ترتیبِ نو'' کا جواز پیش کرتے ہوے ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

''کلیات کے ''پیش لفظ''میں اِس کی ترتیب کے سلسلے میں اہم نکات فرداً فرداً

لکھ دیے گئے تھے، ہر تخلیق پر تاریخِ اشاعت درج کردی تھی۔ یہ بھی واضح کردیا گیا تھا کہ ابتدائی کلام مختلف ذرائع سے تلاش کرکے شاملِ کتاب کیا گیا ہے۔ مجید امجد زندہ ہوتے ،تو معلوم نہیں ، اِس میں سے کیا کچھ شائع کرتے۔ اِس کے باوجود نکتہ چینوں کی زبانیں اور قلم رواں رہے۔ اگر ''پیش لفظ'' کو غور سے پڑھ لیا جاتا ،تو بیشتر اعتراضات کا جواب مل جاتا، مگر شاید معترضین کو اتنی فرصت میسر نہیں تھی۔ حالیہ اشاعت میں ان عدیم الفرصت حضرات کو زحمت سے بچانے کے لیے کلیات کو چار حصوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔'' (۲۴)

جن ''پیش لفظ'' کی طرف ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صاحب نے اقتباس کے شروع میں ذکر کیا ہے، وہ ''کلیاتِ مجید امجد (تدوینِ اوّل)'' میں موجود ہیں اور ''طبعِ نو'' میں شامل نہیں ؛ اگر اُسے ''دیباچہ طبعِ نو'' سے قبل یہاں بھی شائع کرلیا جاتا ،تو راقم کے خیالات میں بہتر ہوتا اور اُس کی یاد دہانی ایسے میں زیادہ سُود مند ثابت ہوتی، کیوں کہ ہمارے ''علم دوست'' معاشرے میں کسی کو دوبارہ تدوینِ اوّل کا نسخہ کسی کو ملے، نہ ملے ، نیز قارئین کی جس سہل طلبی کی طرف اشارہ کرتے ہوے ڈاکٹر صاحب نے کلیات کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے، وہ سہل انگاری مذکورہ ''پیش لفظ'' کی تلاش میں آڑے نہ آے گی کیا؟ دوسری بات یہ کہ ''کلیاتِ مجید امجد (طبعِ نو)'' میں کلامِ مجید امجد کو چار حصوں میں بانٹنے کا جو جواز پیش کیا گیا ہے، وہ بہت کم زور ہے۔ محض معترضین کی عدیم الفرصتی، سہل پسندی اور اُن کی کی تشفی وتسلی کے لیے ایک نئی ترتیب قائم کرنا کچھ عجیب دکھائی دیتا ہے، جب تک کہ مدوِّن و مرتّب خود نئی ترتیب کا پُر زور حامی نہ ہو۔ گمان غالب ہے کہ خواجہ صاحب خود اِس نئی ترتیب کے داعی اور خواہش مند بھی رہے ہوں گے، جس باعث اُنھوں نے ''کلیاتِ مجید امجد'' کی طبعِ نو کے لیے بارِ دگر محنت کی اور یہ امر ایک محقق کے جستجو طلب مزاج کے لیے زیادہ لائقِ تحسین بھی ہے کہ وہ اپنے ہی سابقہ نقطۂ نظر سے اختلاف کی گنجائش رکھتا ہے اور اِس ضمن میں آخری بات یہ کہ ''دیباچہ طبع نو'' میں کلیاتِ مجید امجد'' کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کی وضاحت و جواز پیش کرتے ہوے ،''روزِ رفتہ'' کے زیرِ عنوان ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ:

''موجودہ اشاعت میں اِس حصے میں بعض نظموں کا اضافہ کیا گیا ہے۔'' (۲۵)

یہاں یہ تو پتہ چلتا ہے کہ اضافہ کی گئی نظموں کا تعلق مجید امجد کے ابتدائی تخلیقی زمانے سے ۱۹۵۸ء تک ہے، تاہم چاہیے تھا کہ ''کلیاتِ مجید امجد'' میں اضافہ کی گئی نظموں کا باقاعدہ ذکر کیا جاتا اور اِن کے مآخذ کی نشان دہی کی جاتی ۔ بہر حال اضافہ کی گئی نظمیں اور ان کی تواریخِ تخلیق ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

''رازِ گراں بہا'' (۱۹۳۴ء۔۱۲۔۲۴)، ''لہر انقلاب کی'' (۱۹۳۶ء۔۱۰)، ''محرومِ ازل'' (۱۹۳۶ء۔۱۰۔ ۱۶) ، ''نذرِ محبت'' [سانیٹ] (۱۹۳۷ء۔۴۔ ۶۱)، ''پسِ پردہ'' (۱۹۳۷ء۔۶۔۸)، ''تیرے بغیر'' (۱۹۳۷ء۔۱۰۔۲۷)، ''مطربہ سے'' (۱۹۳۸ء۔۱۔۲۴)، ''فانی جگ'' (۱۹۳۸ء۔۲۔۲۴)، ''عورت'' (۱۹۳۸ء۔۳۔۳۱)، ''ابرِ صبوح'' (۱۹۳۸ء۔۶۔۱۱)، ''یہ دنیا ہے اے قلبِ مضطر سنبھل جا'' (۱۹۳۹ء۔۴۔۳۰)، ''بیسویں صدی کے خدا سے'' (۱۹۳۹ء۔۷۔۸)، ''بھکشا'' (۱۹۳۹ء۔۷۔۲۴)۔ یہ نظمیں ''روزِ رفتہ'' کے عنوان سے شامل ہیں اور مجید امجد کے ارتقائی سفر کو سمجھنے میں معاون ہیں ۔اِس تلاش اور اضافے کے باعث دراصل ''کلیاتِ مجید امجد (طبعِ نو)'' کی اہمیت و افادیت اور ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی علمی و ادَبی خدمت میں اضافہ ہوا ہے۔ یہیں ''دیباچہ طبعِ نو'' کے ایک اہم جملے کا حوالہ بھی بہت ضروری ہے، جس کا تعلق ایک جائز شکوے سے ہے ۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے ''کلیاتِ مجید امجد'' کی تدوین و ترتیب کی خدمت انجام دی ، اِس حوالے سے خالد شریف نے تدوینِ اوّل کے پیش لفظ میں لکھا تھا کہ:

> ''ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا..... .....نے جس باریک بینی اورعرق ریزی سے کام لیا، وہ اپنی مثال آپ ہے ..... کچھ دوست یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ خواجہ صاحب کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تو دراصل اِس کام پر ملنی چاہیے تھی۔'' (۲۶)

ڈاکٹر صاحب نے ''دیباچہ طبعِ نو'' میں خالد شریف کی راے پر راے دیتے ہوے لکھا ہے کہ:

> ''اُن کے یہ جملے میرے لیے اعزاز کی حیثیت رکھتے ہیں ،مگر میری محنت ، باریک بینی اورعرق ریزی اعزازی ہی رہی۔'' (۲۷)

ناشر نے مرتّب کے ساتھ کیا سلوک یا حسنِ سلوک کیا، اِس کا تو اندازہ نہیں، تاہم مجید

امجد جیسے بڑے اور نابغہ شاعر کے کلام کو مرتّب و مدوّن کرنے پر حکومتی یا ریاستی سطح پر کسی قسم کی باقاعدہ پذیرائی کا نہ ہونا، نہایت افسوس ناک امر ہے۔ ایسے کسی بھی بڑے شاعر کے کلام کی تحقیق و تدوین و ترتیب کسی معرکے سے کم نہیں ہوا کرتی، لہٰذا اِس خدمت کا اجر اور اعزاز بھی شایانِ شان ہونا چاہیے۔

''کلیاتِ مجید امجد''، تدوینِ اوّل (ماورا پبلشرز، لاہور) ہو، یا ''طبعِ نو'' (الحمد پبلشرز، لاہور) ہو، دونوں نسخے مجید امجد شناسی کے باب میں نہایت اہم، مفید اور عظیم کارنامہ ہیں۔ مجید امجد کے عالمانہ اور خلاقانہ مزاج اور کلام و افکار کے پیشِ نظر بڑے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ آیندہ کم از کم ایک صدی تو مجید امجد کے افکار وفنون کی تشریح وتعبیر سے یقیناً عبارت رہے گی اور اکیسویں صدی کے اختتام تک تو کم از کم مجید امجد کی اہمیت و اِفادیت ماند نہیں پڑنے والی۔ ایسے میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی مجید امجد شناسی کے باب میں ''کلیاتِ مجید امجد'' کی تحقیق و تدوین و ترتیب اور مضامین کی صورت میں کی گئی خدمات مجید امجد کے ہر نقاد اور محقق کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوتی رہیں گی اور جب تک مجید امجد شعروسخن کی تاریخ میں زندہ رہیں گے، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کا حوالہ بھی محفوظ و مامون رہے گا۔ ''کلیاتِ مجید امجد'' کی تحقیق و تدوین و ترتیب کا کام ایک مستند اور معتبر تاریخی دستاویز ہے، جس کی نفی تاریخ بدلے بغیر ممکن نہیں۔

☆☆☆☆

حواشی و حوالہ جات

۱۔ مجید امجد پر مختصر و طویل مضامین اور اُن کی نظموں کے تجزیے لکھنے والوں میں ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر سیّد عبداللہ، انتظار حسین، احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر محمد صادق، شیر افضل جعفری، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر خورشید رضوی، میرزا ادیب، ادیب سہیل ، ڈاکٹر آفتاب اقبال شمیم، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر تبسّم کاشمیری، ڈاکٹر سہیل احمد خان، ریاض احمد، مظفر علی سیّد، عبدالعزیز خالد، ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی، سیّد جعفر طاہر، سراج منیر، بل راج کومل، شہزاد احمد، ڈاکٹر محمد علی صدیقی، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری، ڈاکٹر محمد امین، صفدر سلیم سیال، ڈاکٹر سعادت سعید، اظہر جاوید، سجاد میر، سجاد نقوی، جاوید قریشی، خاطر غزنوی، تاج سعید ، ساحل احمد، تقی الدین انجم، عبدالرشید، یوسُف حسن، بلال زبیری، سیّد جعفر شیرازی، پروفیسر حامدی کشمیری، مقصود زاہدی، اسرار زیدی، سجاد شیخ، آفاق صدیقی، گلزار وفا، محمود رضوی، پروفیسر سمیع اللہ قریشی، خالد طور، ذوالفقار احمد تابش، ڈاکٹر فرخ درّانی، یحییٰ امجد، عنایت کبریا، اطہر ندیم ،احمد تنویر، صدیق راعی، ڈاکٹر طاہر تونسوی، ڈاکٹر ناصر عباس نیر، ڈاکٹر سیّد عامر سہیل، انجم نیازی، خیر الدین انصاری، افسر ساجد، ڈاکٹر ضیاءُ الحسن، رفیق سندیلوی، ڈاکٹر نوازش علی، رشید الزماں، اسرار احمد سہاروی، منو چہر، ایزد عزیز، ڈاکٹر اسلم ضیا، انوار الحق، محمد کلیم خان، عقیل احمد صدیقی، ڈاکٹر شبیر احمد قادری، علی تنہا، قرۃ العین طاہرہ، ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ، پروفیسر شفیع ہمدم ،حکمت ادیب، عتیق اللہ، محمد اشرف، اختر عباس، قاسم یعقوب، پروفیسر افتخار بیگ ، امجد طفیل ، محمد خان کلیم ،اطہر ناسک، ریاض احمد شاد، ارشد جاوید، منیبہ خانم ، افضال احمد افضال ، قیوم صبا، ڈاکٹر نیاز علی محسن، میاں شان احمد ،شناور اسحاق، ڈاکٹر محمد نعیم بزمی، محمد افتخار شفیع، ڈاکٹر آصف علی چٹھہ، ڈاکٹر شاہد اشرف، احتشام علی اور طارِق حبیب شامل ہیں۔

۲۔ مجید امجد کو منظوم خراجِ تحسین پیش کرنے والے شعرا میں عبدالعزیز خالد، قتیل شفائی، فارغ بخاری، خاطر غزنوی، ڈاکٹر خورشید رضوی ، عظیم قریشی، گوہر ہوشیار پوری، احمد ظفر، ناصر شہزاد، اَسرار سہاروی، اَسرار زیدی، ابرار احمد، بشیر احمد بشیر، محمود رضوی، مسعود منور، جلیل حشمی، تاج سعید، رفیق خاور جسکانی، انور سدید، محمود علی محمود، محمد امین، فرحت زمان بیگ، شوکت ہاشمی، آثم مرزا، ڈاکٹر کاظم بخاری، علی رضا، اکرم کلیم، مظہر اختر، ظفر سعید، اصغر عباس، اقبال رمیض، سجاد بخاری، عارف شاہد عارفی، خادم

رزمی وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔ ادَبی رسائل کے مجید امجد نمبر:

الف: ''نصرت''، لاہور،ہفت روزہ،''مجید امجد نمبر''،مئی۱۹۷۴ء ، جلد: ؟،شمارہ: ۱۵۸،

ب: ''قند''، مردان،''مجید امجد نمبر''، جون ۱۹۷۵ء ، جلد: ۳،شمارہ: ۸،۹، ۲۶۹ص، مدیر: تاج سعید

ج: ''آوازِ جرس''، لاہور،ہفت روزہ، ۹ تا ۱۵مئی ۱۹۹۱ء، جلد: ؟ ،شمارہ: ؟ ،ص: ؟

د: ''دستاویز''، لاہور، سہ ماہی،''مجید امجد نمبر''، اپریل مئی جون ۱۹۹۱ء ، جلد: ۲، شمارہ: ۵،۲۶۹ص، مدیر: اشرف سلیم

ہ: ''محفل''، لاہور، ماہ نامہ،''مجید امجد نمبر''، جولائی ۱۹۹۱ء،جلد: ۳۷، شمارہ : ۷،۱۴۲ص، مدیر: طفیل ہوشیار پوری،

و: ''القلم''، جھنگ، سہ ماہی،خصوصی شمارہ بہ عنوان: ''مجیدامجد ؛ ایک مطالعہ''، بارِ اول: ۱۹۹۴ء، جھنگ، جھنگ ادبی اکیڈمی،۹۸۳ص ،مرتب: حکمت ادیب

ز: ''بازیافت''،تحقیقی وتنقیدی مجلّہ، لاہور،۲۰۱۴ء، شعبۂ اُردُو، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی ، جلد: ،شمارہ: ،ص؟،مدیر: ڈاکٹر محمد کامران

ح: ''شبیہ''،خوشاب، سہ ماہی،''مجید امجد کی نظموں کے تجزیاتی مطالعے''،جنوری تا دسمبر۲۰۱۴ء، جلد: ۲۳،شمارہ: ۸۹ تا ۹۲، مدیر: طارِق حبیب،۱۶۰ص

۴۔ مجید امجد پر چھپنے والی باقاعدہ کُتُب:

الف: ''مجید امجد کی داستانِ محبت''، از: ڈاکٹر وزیر آغا،بارِاوّل : نومبر ۱۹۹۱ء، لاہور،معین اکادمی،۱۵۲ص

ب: ''مجید امجد:بیاضِ آرزو بکف''،از: سید عامر سہیل، بارِاوّل: جنوری ۱۹۹۵ء،ملتان،بیکن ہاؤس،۱۸۰ص

ج: ''مجید امجد : شخصیت اورفن''، پاکستانی ادب کے معمار، از: ڈاکٹر ناصر عباس نیر، اشاعت اوّل: ۲۰۰۸ء ، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۲۸ص

د: '' مجید امجد:نقش گرِ نا تمام (سوانح ،شخصیت اورنظم نگاری کا فکری وفنی جائزہ)'' ، از: ڈاکٹر سید عامر سہیل،طبع اوّل: ۲۰۰۸ء،لاہور، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۴۴۰ص

ہ: ''جہانِ مجید امجد''، از: ڈاکٹر اسلم ضیا، اشاعت اوّل: ۲۰۱۴ء، لاہور،

و: ''تفہیمِ مجید امجد''، از: ڈاکٹر محمد امین، اشاعت اوّل: ۲۰۱۴ء، ملتان، بیکن بکس،۸۸ص

ز: ''مجید امجد ؛ نئے تناظر میں (مجید امجد صدی: منتخب مقالات)''، مرتب: احتشام علی،

طبع اوّل: ۲۰۱۴ء ، ملتان، بیکن بکس، ۵۲۸ص

ح : مرتبہ: ڈاکٹر آصف علی چٹھہ، طبع اوّل: ۲۰۱۴ء، لاہور، مغربی پاکستان اکیڈمی، ص؟

ط: کراچی، ؟

۵۔ الف: ''مجید امجد کی داستانِ محبت'' ، از: ڈاکٹر وزیر آغا، بارِ اوّل : نومبر ۱۹۹۱ء، لاہور، معین اکادمی، ۱۵۲ص

ب: ''مجید امجد کی داستانِ محبت'' ، از: ڈاکٹر وزیر آغا، بارِ دوم: ۲۰۰۳ء، لاہور، مکتبہ عالیہ، ایبک روڈ، نیو انارکلی، ۱۳۱ص (مکتبہ عالیہ سے پہلی اشاعت)

ج: ''مجید امجد کی داستانِ محبت'' ، از: ڈاکٹر وزیر آغا، بارِ سوم: ۲۰۱۳ء، لاہور، جمہوری پبلی کیشنز، ایوانِ تجارت روڈ، ۱۱۶ص (جمہوری پبلی کیشنز سے پہلی اشاعت)

۶۔ مجید امجد شناسی کے حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا کی خدمات کی دو جہتیں ہیں:

اوّل : مجید امجد کے فکر وفن پر ڈاکٹر وزیر آغا کے اپنے مضامین

اور دُوُم : معروف اوررُجحان ساز اُردُو ماہ نامہ: ''اوراق'' لاہور میں ڈاکٹر وزیر آغا ڈاکٹر وزیر آغا کی زیرِ ادارت ، مجید امجد کے افکار پر محیط، دیگر ناقدین کے مضامین ۔

۷۔ مجید امجد پر چھپنے والی جزوی کُتُب:

ا۔ ''گوشۂ مجید امجد (نظموں کے تجزیے)''، مشمولہ: ''توضیحات''، از: ڈاکٹر محمد فخر الحق نُوری، مئی ۲۰۰۹ء ، لاہور، کلیۂ علوم اسلامیہ وشرقیہ جامعہ پنجاب، ص: ۱۱۷ تا ۱۷۶

جن نظموں کا تجزیہ اِس کتاب میں کیا گیا:

الف۔ اے قوم ب۔ پیش رو ج توسیعِ شہر

د۔ پھولوں کی پلٹن ہ۔ امروز

۲۔ ''گوشہ مجید امجد بہ عنوان: ''کون دیکھے گا؟'' ، مشمولہ: ''چند اہم جدید شاعر''، لاہور، سنگت پبلشرز، اشاعت: مارچ ۲۰۰۳ء، ص: ۱۱۴ تا ۱۶۸

مضامین کی تفصیل :

ا۔ مجید امجد کے بارے میں ۲۔ مجید امجد کی شبِ رفتہ

۳۔ مجید امجد کا نظریۂ کائنات ۴۔ مجید امجد اور آزاد نظم

۵۔ مجید امجد کے ہاں ہیئتوں کا مطالعہ

۸۔ ادَبی رسایل میں گوشۂ مجید امجد :

الف : ''گوشۂ مجید امجد'' ،مشمولہ: ''اوراق'' ،لاہور، ماہ نامہ ،''جدید نظم نمبر'' ،جولائی اگست ۱۹۷۷ء، جلد: ۱۲، شمارہ: ۷، ۸ ، مدیر: ڈاکٹر وزیر آغا،ص: ۳۶۱ تا ۳۹۳

ب: ''گوشۂ مجید امجد''، مشمولہ: ''ادَبیات''، اسلام آباد، سہ ماہی، ۲۰۰۱ء ، جلد:۱۳، شمارہ: ۵۴، مدیر: نگہت سلیم،ص: ۲۵۰ تا ۳۱۴

ج: ''گوشۂ مجید امجد'' (صد سالہ یومِ ولادت کے حوالے سے)،مشمولہ:''زبان و ادب''، تحقیقی وتنقیدی مجلّہ،فیصل آباد، جی سی یونیورسٹی،شش ماہی، جنوری تا جون۲۰۱۴ء ،شمارہ: ۱۴، مدیر: ڈاکٹر شبیر احمد قادری،ص: ۱۴۳ تا ۱۸۹

د: ''گوشۂ مجید امجد''، مشمولہ: ''پیلھوں''، ملتان، سہ ماہی کتابی سلسلہ، جولائی تا ستمبر۲۰۱۴ء ، شمارہ: ۷، مدیر: ڈاکٹر انوار احمد،ص: ۱۱ تا ۱۴۲

ہ: ''گوشۂ مجید امجد'' (صد سالہ یومِ ولادت کے حوالے سے)،مشمولہ: ''زبان و ادب''، تحقیقی و تنقیدی مجلّہ،فیصل آباد، جی سی یونیورسٹی،شش ماہی، جولائی تا دسمبر۲۰۱۴ء ، شمارہ: ۱۵، مدیر: ڈاکٹر شبیر احمد قادری،ص: ؟

۹۔ مجید امجد پر پاکستان میں پی ایچ ڈی (اُردُو) کا مقالہ لکھ کر ڈگری حاصل کرنے کا اعزاز ڈاکٹر سیّد عامر سہیل کے حصے میں آیا۔ پانچ سو صفحات پر محیط یہ مقالہ بہاءُ الدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے ڈاکٹر انوار احمد کی زیرِ نگرانی مکمل ہوکر اپریل ۲۰۰۴ء میں ڈگری کا سزاوار قرار پایا۔ اِس مقالے کا بیش تر حصہ بعد ازاں کتابی صورت میں شائع بھی ہو چکا ہے،تفصیل درج ہے:
'' مجید امجد:نقش گرِ نا تمام (سوانح ،شخصیت اور نظم نگاری کا فکری وفنی جائزہ)'' ، از: ڈاکٹر سید عامر سہیل،طبع اوّل: ۲۰۰۸ء،لاہور، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۴۴۰ص

۱۰۔ مجید امجد کی نظموں کا فارسی زبان میں ترجمہ کرنے والوں میں زیاد کاؤسی نژاد، انگریزی میں ترجمہ کرنے والوں میں محمد سلیم الرحمان ، فاروق حسن اور مہر افشاں فاروقی، اطالوی میں ماسیموبون، جب کہ نارویجن زبان میں ترجمہ کرنے والوں میں ادریس بابر کے شامل ہیں۔

۱۱۔ ''چند اہم جدید شاعر'' میں ''آئینوں کا سمندر'' کے زیرِ عنوان جو مضامین شائع کیے گئے ہیں، اُن کی تفصیل درج ہے:

۱۔ حفیظ جالندھری کی ادَبی خدمات۔۔۔ اِجمالی جائزہ

۲۔ حفیظ کی غزل
۳۔ سیّد عبدالحمید سے چند ملاقاتیں
۴۔ عدم کے شعری مجموعے
۵۔ ن م راشد: آزاد اُردُو نظم کا نمایندہ شاعر
۶۔ جدید اُردُو نظم اور فیض
۷۔ شیر افضل جعفری: جھنگ کا قلندر
۸۔ سیّد جعفر طاہر: گلِ خار دار
۹۔ ناصر کاظمی کی پہلی بارش
۱۰۔ علاءُ الدین کلیم : روشنی کی جستجو

۱۲۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، مضمون: ''مجید امجد کے ہاں ہیئتوں کا مطالعہ''، مشمولہ: ''محفل''، لاہور، ماہ نامہ، ''مجید امجد نمبر''، جولائی ۱۹۹۱ء، جلد: ۳۷، شمارہ : ۷، مدیر: طفیل ہوشیار پوری، ص: ۷۱ تا ۹۰

۱۳۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، مضمون: ''مجید امجد اور آزاد نظم''، مشمولہ: ''محفل''، ایضاً، ص: ۳۹ تا ۴۵

۱۴۔ نیز یہ مضمون: ''مجید امجد اور آزاد نظم'' سہ ماہی: ''دستاویز'' کے ''مجید امجد نمبر'' میں بھی شائع ہوا: خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، مضمون: ''مجید امجد اور آزاد نظم''، مشمولہ: ''دستاویز''، لاہور، سہ ماہی، ''مجید امجد نمبر''، اپریل مئی جون ۱۹۹۱ء، جلد: ۲، شمارہ: ۵، مدیر: اشرف سلیم، ص: ۳۹ تا ۴۶

۱۵۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، ''مجید امجد کی نظم : ''زینب'' کا تجزیاتی مطالعہ''، مشمولہ: ''القلم''، جھنگ، سہ ماہی، خصوصی شمارہ بہ عنوان: ''مجید امجد ؛ ایک مطالعہ''، بارِ اول: ۱۹۹۴ء، ص: ۱۳۹ تا ۱۴۱

۱۶۔ لفظِ ''کلیات''، مذکر اور مؤنث ہر دو طرح مستعمل اور درست ہے۔

۱۷۔ خالد شریف خود ایک نسبتاً معروف شاعر ہیں، جو بیسویں صدی عیسوی کی آٹھویں دہائی میں اُردُو کے شعری منظر نامے پر ابھرے اور یہ مشہور و مقبول شعر خالد شریف ہی کا ہے:

بچھڑا کچھ اِس ادا سے رُت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

۱۸۔ ''کلیاتِ مجید امجد'' کی اشاعت اوّل اور دُوم کتنی تعداد میں ہوئی، اِس کے بارے میں درست حقائق تو صرف ناشر ہی بتا سکتا ہے!!

۱۹۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، ''پیش لفظ''، مشمولہ: ''کلیاتِ مجید امجد''، مرتبہ: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا،

اشاعت دُوُم: ۱۹۹۱ء، لاہور، ماورا پبلشرز، ص: ۳۱

۲۰۔ ''اَن گنت سورج''، انتخابِ کلامِ مجید امجد، مرتبہ: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ۱۹۸۰ء، لاہور، پولیمر پبلی کیشنز، اُردُو بازار، ص:؟

۲۱۔ ''لوحِ دل''، کلیاتِ مجید امجد، مرتبہ: تاج سعید، پشاور، ۱۹۸۷ء، ص:؟

۲۲۔ راقم اِس وقت ''کلیاتِ مجید امجد'' [ترتیب و تدوینِ اوّل] کی تیسری اور چوتھی اشاعت کی تفصیل سے آگاہ نہیں ہے۔ اِس مضمون کی آیندہ کسی اشاعت میں مذکورہ سنین بھی شامل کردیے جائیں گے۔

۲۳۔ ''کلیاتِ مجید امجد (طبعِ نو)''، کی فہرست میں چارسو اکاون منظومات شمار کی گئی ہیں، جو دراصل چارسو باون ہیں، کیوں کہ ایک عدد غلطی سے فہرست میں دو بار شمار ہوگیا ہے اور یہ عدد ۲۵۹ ہے، جو ''اِمرُوز'' کے آخر اور ''فردا'' کے آغاز میں درج ہوا ہے۔

۲۴۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، ''دیباچہ طبعِ نو''، مشمولہ: ''کلیاتِ مجید امجد (طبعِ نو)''، تحقیق، تدوین، ترتیب: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، اشاعت سوُم: مارچ ۲۰۱۰ء، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ص: ۲۷

۲۵۔ ایضاً، ص: ۲۹

۲۶۔ خالد شریف، ''عرضِ ناشر''، مشمولہ: ''کلیاتِ مجید امجد''، مرتبہ: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ص: ۵

۲۷۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، ''دیباچہ طبعِ نو''، مشمولہ: ''کلیاتِ مجید امجد (طبعِ نو)''، ص: ۳۱

❁.....❁.....❁

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 36, Sr.No.98, 2015, pp 53 - 60

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۶، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۵ء، شمارہ ۹۸

آپ بیتی کا فن ـــــ ایک جائزہ

ڈاکٹر ثمن زاہد☆

Abstract:

Modern literature has so many dimensions and autobiography is one of the most important sources of information about any personality, literary figure and even celebrities of different fields. In recent times so many autobiographies have been published which provide first hand information. Some of these autobiographies have literary significance as well. In this article the art of autobiography writing has been discussed.

Key words: Modern literature, Pakistani literature, Autobiography, Analysis.

حدیث قدسی ہے کہ

''میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ پھر میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے کائنات کو پیدا کر دیا۔''

کائنات کا خلاصہ یقیناً انسان کی ذات ہے۔ اور انسان کی ذات میں تجسس اور خودنمائی فطرتاً موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جزو میں کُل کی خوبیاں ہونا لازم ہیں۔ خدا تعالیٰ نے جب یہ چاہا کہ اب وہ چھپا ہوا خزانہ نہ رہے بلکہ پہچانا جائے تو اس نے اپنی ذات کا انکشاف کرنے کے لئے کائنات اور انسان کی تخلیق کی۔ گویا اپنی ذات کو آشکار کرنے اور خود کی پہچان کروانے کی جو صفت کُل

☆ لیکچرر اُردو، گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، کوٹ خواجہ سعید، لاہور

(خالق) میں ہے۔ وہی صفت جُزو (مخلوق) میں در آنی یقیناً فطری بات ہے۔ اسی لئے انسان اوّل روز سے کسی نہ کسی طرح کائنات کے پوشیدہ رازوں کو عیاں کرنے کے ساتھ اپنی ذات کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرنے کی سعی بھی کرتا چلا آ رہا ہے۔

اردو ادب میں موجود صنف ''آپ بیتی'' انسان کے اسی امر کی تسکین کے لئے ایجاد کی گئی۔ اس میں مصنف اپنی زندگی کے احوال و واقعات کا بیان خود اپنے قلم سے کرتا ہے۔ انگریزی زبان میں اس کے لئے Autobiography کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

لغوی طور پر اس لفظ کے مفاہیم کے تعین کو دیکھا جائے تو

''رافع اللغات'' میں آپ بیتی کے معنی کچھ اس طرح سے بیان ہوئے ہیں:

''اپنے مشاہداتِ زندگی، ذاتی سرگزشت، اپنی کہانی''(۱)

''اردو لغت تاریخی اصول پر'' میں یوں تعریف کی گئی ہے۔

''اپنی واردات یا مشاہداتِ زندگی''(۲)

قومی انگریزی اُردو لغت میں لکھا گیا ہے کہ

''اپنی سوانح حیات جسے خود ہی لکھا گیا ہو۔''(۳)

فرہنگِ آصفیہ میں آپ بیتی کے معانی بیان کرتے ہوئے سید احمد دہلوی نے لکھا ہے کہ

''سرگزشتِ خود، اپنی واردات، اپنے اوپر گزری ہوئی، اپنا ماجرا، اپنی سرگزشت، اپنی رام کہانی: جسے آپ بیتی کہوں کہ جگ بیتی۔''(۴)

"The Oxfor English Dictionary" میں Autobiography کے لغوی مفہوم کو ان الفاظ میں Define کیا گیا ہے۔

"The writing of one's own history, the story of one's life written by himself."(5)

آپ بیتی کے فن کے حوالے سے اگرچہ زیادہ کتب یا مواد نہیں ملتا۔ تاہم مختلف ناقدین اور اہل علم نے اس حوالے سے آرا پیش کی ہیں اور بحث کے ذریعے اس فن کی تعریف متعین کی ہے۔ مثلاً

ابوالاعجاز حفیظ صدیقی نے ''کشاف تنقیدی اصطلاحات'' میں لکھا ہے کہ

''آپ بیتی سے مراد ہے وہ تصنیف جس میں مصنف نے اپنے حالاتِ زندگی خود قلمبند کئے ہوں۔''(۶)

ڈاکٹر انور سدید کے نزدیک:

''آپ بیتی زندگی کے گزرے ہوئے لمحوں کی ریت کو سمیٹنے کا عمل ہے اور اس میں چاشنی اس لیے زیادہ ہے کہ اس پر لکھنے والے کی مہر تصدیق ثبت ہوتی ہے۔''(۷)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اپنی کتاب ''اصنافِ ادب'' میں رقمطراز ہیں کہ:

''اپنی زندگی کے احوال و واقعات کا بیان ''آپ بیتی'' کہلاتا ہے اسے خود نوشت (Autobiography) بھی کہہ سکتے ہیں۔ آپ بیتی محض احوال و واقعات کا مجموعہ نہیں ہوتی بلکہ اکثر اوقات لکھنے والے کی داخلی کیفیتوں، دلی احساس، شخصی اور عملی تجربوں، زندگی کے جذباتی پہلوؤں اور بحیثیت مجموعی زندگی کے بارے میں اس کے نقطہ نظر کی ترجمانی کرتی ہے۔''(۸)

بقول یوسف جمال انصاری:

''یہ انسانی خاصہ ہے کہ وہ اپنی ذات کا کوئی نقش دنیا میں چھوڑ جانا چاہتا ہے۔ آپ بیتی بھی اپنی ذات کا کوئی نقش دنیا میں چھوڑ جانا ہے۔''(۹)

گویا لغوی اور اصطلاحی ہر دو حوالوں سے دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ آپ بیتی اصل میں لکھنے والے کی کہانی خود کی زبانی ہوتی ہے۔ معنوی اعتبار سے اردو ادب میں آپ بیتی کے لئے خود نوشت سوانح عمری کی اصطلاح بھی مستعمل ہے۔ ڈاکٹر صبیحہ انور اپنی کتاب ''اُردو میں خودنوشت سوانح حیات'' میں لکھتی ہیں کہ:

''خودنوشت سوانح حیات سے مراد کسی شخص کی اپنی زندگی سے متعلق خود لکھے ہوئے حالات ہوتے ہیں۔ خودنوشت سوانح حیات سے مصور اپنی تصویر خود

بناتا ہے۔''(۱۰)

کوئی شخص جب اپنی زندگی کے گزرے ہوئے ماہ وسال کی سرگزشت لکھتا ہے تو محض اپنے ہی حالات و واقعات کو قلمبند نہیں کرتا بلکہ بین السطور اپنے اردگرد بسنے والے رشتے اور معاشرتی زندگی کے تمام نقوش کا عکس بھی دکھاتا ہے۔

دیکھا جائے تو آپ بیتی کا فن اگرچہ کسی انسانی زندگی سے متعلق علم تو پیش کرتا ہے مگر ساتھ ساتھ اس دور کے رسوم ورواج، تہذیب وتمدن اخلاقی اور مذہبی اقدار اور سیاسیات وغیرہ پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ کیونکہ اکثر اوقات آپ بیتی نگار اپنی داخلی کیفیات کے ساتھ ساتھ خارجی کیفیات کو بھی بھرپور طریقے سے بیان کرتا ہے۔ آپ بیتی کا فن کوئی سہل فن نہیں بلکہ بہت سی اصناف سے زیادہ مشکل اور محنت طلب ہے۔

آپ بیتی کو نثر اور نظم دونوں صورتوں میں لکھا جا سکتا ہے تاہم اہل قلم نے نثر کی صورت میں لکھنے کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ دیگر اصنافِ نثر کی طرح آپ بیتی کے لئے بھی ایک مخصوص اسلوب ہے۔ جس کو اپنانا آپ بیتی نگار کے لیے ضروری ہے۔ اس کا انداز عام فہم، سادہ مگر رواں اور دلچسپ ہونا چاہئے تاکہ قاری کو پڑھنے اور سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے۔ مصنف آپ بیتی کو جتنا سلیس انداز میں لکھے گا قاری کے لئے اتنا ہی وہ دلچسپ ہوگی نہ کہ وہ محض اسے لفظوں کا کھیل سمجھ کر اکتاہٹ کا شکار ہو جائے۔ آپ بیتی نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بیان اور موضوع پر گرفت مضبوط رکھے اور عمدہ اسلوب اپنائے تاہم ہر مصنف کا اپنا اسلوب یا انداز تحریر ہوتا ہے جو اسے دوسرے مصنف سے منفرد کرتا ہے۔ گویا بہتر اور معیاری اسلوب اختیار کرنا آپ بیتی کے لئے بنیادی شرط ہے۔ اس فن کے لئے ایک لازمی شرط جسے تقریباً ہر ناقد نے مانا ہے وہ ہے سچائی۔ اس وصف کو پورا کرنا اور آپ بیتی کے دوران اس کو مکمل طور پر ملحوظ خاطر رکھنا بظاہر نہایت مشکل امر ہے مگر مصنف کیلئے اتنا ہی ضروری اور اہم بھی ہے کیونکہ اپنی زندگی کے اہم اور خوبصورت گوشوں کو تو ہر کوئی منظرِ عام پر لا کر خود کو نمایاں کرنا چاہتا ہے مگر وہ رنگ جو اس کی شخصیت کو کمزور کرتے ہیں ان کا ذکر کرنا بہت کٹھن ہوتا ہے اسی لیے آپ بیتی کے فن کو زیر قلم لانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر تحسین فراقی اپنی کتاب ''عبدالماجد دریابادی۔ احوال وآثار'' میں رقمطراز ہیں کہ:

''حقیقت نگاری بڑا مشکل کام ہے بالخصوص جب انسان اپنی کہانی خود لکھنے بیٹھے۔''(۱۲)

خود اپنی ذات سے محبت انسانی فطرت کا خاصہ ہے اور آپ بیتی میں تو مصنف کی اپنی ذات ہی محور و مرکز ہوتی ہے اور اسے اس کے گرد ہی اس کا تانا بانا بُننا ہوتا ہے۔اسی لئے وہ اپنی زندگی کے واقعات کو اپنے نقطہ نظر کے مطابق پیش کرتا ہے۔ یہ انسانی نفسیات ہے کہ وہ کبھی بھی نہیں چاہتا کہ اپنی خامیوں پر سے پردہ اٹھائے لہٰذا وہ مبالغے یا پردہ پوشی سے کام بھی لیتا ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنے مضمون ''اُردو میں آپ بیتی'' میں اس حوالے سے لکھا ہے کہ:

''آپ بیتی میں اپنی محبت اور دوسروں کا خوف ہر وقت دامن گیر ہوتا ہے۔ وہ نہ اپنے گناہوں کی صحیح فہرست پیش کرسکتا ہے نہ اپنا صحیح جج بن سکتا ہے۔''(۱۳)

اگر چہ آپ بیتی میں مصنف جھوٹ کا بھی سہارا لیتا ہے خواہ وہ مصلحتاً ہو یا جان بوجھ کر، اسے آپ بیتی کا ایک نقص ہی کہنا اور ماننا چاہئے کیونکہ اس صنف کا مقصد ہی مصنف کے اصل حالاتِ زندگی کا احاطہ کرنا ہے تا کہ وہ اپنے حالات وحوادث سے دوسروں کو آگاہ کرے۔ اگر اس میں ''صاف گوئی اور انکشافِ ذات'' کی صفات نہ پائی جائیں بلکہ صرف اپنی ذات کو مثالی بنانے کا عنصر نمایاں ہو تو یہ آپ بیتی محض افسانے کی شکل بن کر رہ جاتی ہے اور اپنا اصل مقصد کھو دیتی ہے۔اس پہلو سے گریز مصنف کے لئے لازم ہے بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ سچائی اس صنف کا غرور ہے اور صنف کے غرور کو برقرار رکھنے میں بعض اوقات اپنی ذات کے غرور کو توڑنا پڑتا ہے۔تبھی ایک پر اثر آپ بیتی منظرِ عام پر آسکتی ہے۔ ورنہ اس کے بغیر محض وقت کا ضیاع ہے۔

اس صنف میں سچائی کی ضرورت واہمیت پر بحث کرتے ہوئے الطاف فاطمہ کا کہنا ہے کہ:

''آپ بیتی اس وقت دل کش اور حسین ہوتی ہے جب انسان سچائی اور دیانت داری سے پیش کرے ورنہ سادہ سپاٹ زندگی کو تصنع کا خول چڑھا کر پیش کرنا فضول ہی ہوتا ہے۔''(۱۴)

درج بالا ان تقاضوں کو مدنظر رکھنا اگر چہ مصنف کے لئے بہتر ہے تاہم ضروری نہیں کہ ہر آپ بیتی میں یہ عناصر بدرجۂ اتم موجود ہوں کیونکہ آپ بیتی نگار اپنی مرضی سے کچھ پہلو یا واقعات نمایاں طور پر بیان کرتا ہے اور کچھ اس کے نزدیک اتنے اہم نہیں ہوتے۔اسی طرح آپ بیتی لکھنے

کے مقاصد بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔ جن کی بنا پر سچائی اور سادگی کا عنصر کم یا زیادہ ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ البتہ اس کے باوجود بیشتر اہل قلم اس بات پر زور دیتے نظر آتے ہیں کہ اس فن کو شفاف اور دروغ گوئی سے پاک رہنا چاہئے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے دیکھیں تو ان کے مطابق:

''سب سے اچھی آپ بیتی وہ ہوتی ہے جو کسی بڑے دعوے کے بغیر بے تکلف اور سادہ احوالِ زندگی پر مشتمل ہو۔''(۱۵)

اُردو ادب میں چند اصناف ایسی بھی ہیں جو آپ بیتی سے کسی نہ کسی طرح خاصی قربت رکھتی ہیں۔ مثلاً روزنامچہ، خطوط، ڈائری، تذکرے، سوانح عمری وغیرہ اپنی خصوصیات کی بنا پر آپ بیتی سے ملتی جلتی اصناف سمجھی جاتی ہیں کیونکہ ان میں بھی کسی شخصیت سے متعلق بہت سا سوانحی مواد مل جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے عہد سے متعلق مستند معلومات بھی فراہم ہو جاتی ہیں۔

ہمارے ہاں زیادہ تر آپ بیتیاں ادب سے تعلق رکھنے والے مشاہیر نے ہی لکھی ہیں دیگر افرادِ معاشرہ نے ماضی میں اس جانب خاص توجہ نہیں کی شاید اس کی وجہ خودنمائی اور خودستائشی کا وہ پہلو بھی ہو سکتا ہے جو آپ بیتی میں نکلتا ہے مگر خوش آئند بات یہ ہے کہ دورِ حاضر میں اس کی طرف توجہ دی جانے لگی ہے اور بہت سی اعلیٰ پائے کی آپ بیتیاں ادب کا حصہ بنی ہیں۔ جن میں چند اہم محمد جعفر تھانیسری کی ''کالا پانی''، مولانا ابوالکلام آزاد کی ''تذکرہ'' خواجہ حسن نظامی کی ''آپ بیتی'' کرنل محمد خان کی ''بجنگِ آمد'' جوش ملیح آبادی کی ''یادوں کی برات'' قدرت اللہ شہاب کی ''شہاب نامہ'' مشتاق احمد یوسفی کی ''زرگزشت'' ممتاز مفتی کی ''علی پور کا ایلی'' قرۃ العین حیدر کی ''کارِ جہاں دراز ہے'' عبدالماجد دریابادی کی ''آپ بیتی'' وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی مختصر اور طویل آپ بیتیاں اردو ادب کا حصہ بن چکی ہیں۔ جن کو پڑھ کر اس صنف کی اہمیت اور مقام کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ امید واثق ہے کہ مستقبل میں اس فن کی جانب اہل قلم کی توجہ مبذول رہے گی تا کہ آنے والی نسلوں تک اپنے آباؤ اجداد کی زندگیوں کے سچے حالاتِ بآسانی پہنچ سکیں اور ماضی کی نشیب و فراز سے آگاہ ہو کر اپنے مستقبل کے لئے بہترین کی راہیں چُن سکیں۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ ''رافع اللغات''، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، لاہور: الفیصل کتب، ۲۰۰۵ء ص ۱۴

۲۔ ''اُردو لغت تاریخی اصول پر''، کراچی: ترقی اُردو بورڈ، ۱۹۷۹ء، جلد دوم، ص ۲۸

۳۔ ''قومی انگریزی اُردو لغت''، ڈاکٹر جمیل جالبی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع چہارم، ۱۹۹۹ء، ص ۱۲۹

۴۔ ''فرہنگِ آصفیہ''، جلد اوّل، سید احمد دہلوی، لاہور: مکتبہ حسن سہیل لمٹیڈ، ۱۹۷۴ء، ص ۹۵

5- "The Oxford English Dictionary": Oxford: The Clarendow Press, 1933, Vol: 1, Pg.573

۶۔ ''کشاف تنقیدی اصطلاحات''، ابوالاعجاز صدیقی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵، ص ۱

۷۔ ''نئے جائزے (۱۹۷۸۔۱۹۸۸)''، ڈاکٹر انور سدید، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، بار اوّل، ۱۹۸۹، ص ۱۴۷

۸۔ ''اصنافِ ادب''، رفیع الدین ہاشمی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۶۶

۹۔ ''آپ بیتی اور اس کی مختلف صورتیں'' (مضمون) یوسف جمال انصاری، مشمولہ، (نقوش)، آپ بیتی نمبر جون ۱۹۶۴ء ص ۸۰

۱۰۔ ''اُردو میں خودنوشت سوانح حیات''، ڈاکٹر صبیحہ انور، لکھنؤ: نامی پریس، اگست ۱۹۸۲ء، ص ۱۸

۱۱۔ ''پسِ نوشت پسِ پسِ نوشت'' پروفیسر پرویز پردازی، لاہور: نیاز مانہ پبلیکیشنز، س ن، ص ۲۰

۱۲۔ ''عبدالماجد دریابادی، احوال و آثار''، ڈاکٹر تحسین فراقی، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۳ء، ص ۴۱۵

۱۳۔ ''اُردو میں آپ بیتی، (مضمون)'' ڈاکٹر سید عبداللہ، (مشمولہ) اُردو نثر کا فنی ارتقاء، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۳۵۱

۱۴۔ ''اُردو میں فنِ سوانح نگاری کا ارتقاء''، الطاف فاطمہ، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۱ء، ص ۳۰۴

۱۵۔ (بحوالہ) ''اصنافِ ادب''، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ص ۱۶۶

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 36, Sr.No.98, 2015 pp 61 - 72

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۶، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۵ء، شمارہ ۹۸

کشمیر میں سکھ وڈوگرہ عہد میں ہونے والے مظالم کا مختصر جائزہ

☆ڈاکٹر سردار اصغر اقبال ☆☆سردار ساجد محمود

Abstract:

After conquering the Punjab, Sikhs were much more concerned about the Kashmir because of its beauty and natural resources. Maharaja Ranjeet Singh succeeded to enter his forces in Kashmir through Pir Panjal on 1819. As a result Kashmir became under the control of Crown of Lahore by cutting down with Kabul . Sikh continued their occupation Since 1846 when British conquered the adjoined region and sold the Kashmir to Dogra Gulab Singh through Amritsir accord. The era from 1819-1846 is called as Sikh Period and 1846-1947 is known as Dogra period or Dogra Raaj . Both the periods of Sikh and Dogra contained a series of record brutalities on the people especially the muslims of Kashmir . Religions,ecnomical, political and social exploitation of the muslims was on its highest level. There were several types of taxes immposed on the people by personal Government of Maharajas.The people were faced by worst type of dictatorship during this period .The pupose of the study is to expose the brief history of atrocities made on muslims of Jammu (Including Poonch) and Kashmir during Sikh and Dogra raj.

Key words: Hisoty of Kashmir, Sikh period, Dogra period, Description and Analysis.

سکھوں نے انیسویں صدی کے آغاز سے ہی کشمیر پر نظریں مرکوز کر رکھی تھیں یہی وجہ ہے کہ ابتدائی دو ناکام مہموں کے بعد 1819 میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پیر پنجال کے راستے سے اپنی

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ کشمیریات، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

☆☆ ڈائریکٹر، کشمیر سنٹر، لاہور

فوجیں وادی کشمیر میں داخل کیں۔اس طرح کشمیر کابل سے کٹ کر سلطنتِ لاہور کے زیر نگیں آ گیا۔ سکھوں نے کشمیر پر 1819 سے لے کر 1846 تک اپنا تسلط برقرار رکھا۔1846 تا 1947 کا عہد ڈوگرا عہد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔سکھوں اور ڈوگروں کے عہد میں ریاستی مسلمانوں پر جبر و تشدد کے پہاڑ کسی قیامت سے کم نہ تھے۔ریاستی مسلمانوں کو زیر کرنے اور اپنے تسلط کو طول دینے کی غرض سے طرح طرح کے حربے آزمائے جاتے رہے جو تاریخ کا حصہ ہیں۔مختلف قسم کے ٹیکسوں نے بالعموم تمام ریاستی عوام اور بالخصوص مسلمانوں کی زندگیوں کو اجیرن بنا رکھا تھا۔اگر چہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ماسوائے ہوا کے کوئی بھی ایسی چیز نہ تھی جس پر ٹیکس نہ ہو۔ مذہبی آزادی کو سلب کیا گیا۔حتیٰ کہ اس عہد میں پونچھ کے زندہ مسلمانوں کی کھالیں کھینچ کر درختوں کے ساتھ لٹکائی گئیں، کھالوں میں بھوسہ بھر کر سر دھڑ سے جدا کرتے ہوئے مختلف علاقوں میں نمائش کی گئی تا کہ کوئی بھی باغی سر نہ اٹھا سکے اور نہ اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کر سکے۔

تاہم کشمیری مسلمانوں نے سکھوں اور ڈوگروں کے دور میں شخصی راج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور فہم و فراست کے حامل افراد نے نا صرف ریاست بلکہ ریاست کے باہر سے بھی ریاستی مسلمانوں میں شعور کی بیداری میں کردار ادا کیا۔اس مختصر مقالہ میں سکھ اور ڈوگرا عہد کے دوران مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔تا کہ نوجوان نسل ماضی کے جان لیوا تجربات سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے مستقبل کی پیش بندی کر سکے۔

اگر چہ کشمیر میں سکھوں سے قبل افغانوں کے دورِ حکومت میں بھی کشمیری عوام پر بے شمار مظالم ڈھائے گئے مگر سکھوں کے عہد کو ظلم و بربریت کے عہد سے موسوم کیا جاتا ہے۔انیسویں صدی کے آغاز میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پنجاب میں اپنی مضبوط سلطنت قائم کی تو سرحدوں کو بڑھانے کی ہوس اور خطۂ کشمیر کے قدرتی حسن و زخائر پر قبضے کے لیے اس نے کشمیر کو بھی سلطنت پنجاب کے ساتھ ملانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ابتدائی طور پر دو مہمیں ناکام ہوئیں تاہم تیسری مہم میں اپنی فوج پیر پنجال کے راستے کشمیر میں داخل کرنے میں کامیاب ہوا اور نتیجتاً کشمیر کابل سے کٹ کر سلطنت لاہور کے کنٹرول میں آ گیا۔سکھوں کا دور کشمیری مسلمانوں کے لیے کسی سانحِ عظیم سے کم نہ تھا۔ یہ ایسا تاریک دور تھا جب مسلمانوں کی مذہبی آزادی سلب کر لی گئی۔سری نگر جامع مسجد کے دروازوں کو مقفل کر دیا گیا اور مسلمانوں کے داخلے پر پابندی عائد کر دی گئی۔گائے کے گوشت پر پابندی عائد کی گئی اور گاؤکشی کی سزا موت مقرر کر دی گئی۔گائے کو ذبح کرنے کے جرم میں مسلمانوں

کو سری نگر کی گلیوں میں گھسیٹا اور جلایا جاتا رہا تا کہ نشان عبرت بن سکیں۔ اس ضمن میں جسٹس محمد یوسف صراف کی تصنیف Kashmiris fight for Freedom سے حاصل کیا گیا درج ذیل اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں انہوں نے John B. Ireland کی روزانہ کی بنیادوں پر لکھی گئی ڈائری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"A year ago, three Sepoys were flogged to death for killing a cow. No native dare appear before the King in a handsome dress, for fear the king will beg it away.
Major General Ralph young was told by Badri Nath, Chief Justice, that death sentence was awarded for cow-killing because the crime was most heinous."[۱]

اذان پر پابندی عائد کی گئی اور پیسوں کے عوض نوکریوں کے نظام کو رائج کیا گیا۔ ٹیکسوں میں بے تحاشا اضافہ کیا گیا۔ مسلمانوں کی جان کی قیمت ہندوؤں کے مقابلہ میں نصف مقرر کی گئی تھی اور مسلمانوں کو کم تر سمجھا جاتا تھا۔ جس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے با آسانی کیا جا سکتا ہے۔

''مسلمانوں کی جان بے حد ارزاں تھی اگر کسی سکھ کے ہاتھ سے کوئی کشمیری مارا جاتا تو اسے 16 تا 20 روپے جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا جس میں سے اگر مقتول ہندو ہوتا تو اس کے پسماندگان کو چار روپے دیئے جاتے اور اگر مقتول مسلمان ہوتا تو اس کے پسماندگان کو دو روپے دیئے جاتے باقی رقم خزانہ سرکار میں جمع ہوتی۔''[۲]

بالا اقتباس اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ سکھوں کے دور سے ہی کشمیریوں کے قتل عام کی منظّم سازشوں کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کی جان کی قیمت ہندوؤں کے مقابلے میں کم مقرر کیے جانے اور خزانہ سرکار میں پیسے جمع کروانے کے قانون کے پس پردہ دراصل سکھوں کو مسلمانوں کے قتل عام کی ترغیب دینا مقصود تھی۔ کشمیری مسلمانوں بالخصوص پونچھ کے غیور عوام نے جب 1832 کے دوران سکھوں اور ڈوگروں کے مظالم کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو سدھن قبیلہ کے سرداروں سردار شمس خان، سبز علی خان اور ملّی خان کے علاوہ کئی افراد کی زندہ کھالیں کھینچ کر درخت کے ساتھ لٹکایا گیا اور بعد ازاں کھالوں میں بھوسہ بھر کر مختلف علاقوں میں گھمایا جاتا رہا تا کہ دوسروں کے لیے عبرت کا نشان بنایا جا سکے اور عوام خوف کا شکار ہو کر غلامی کی زندگی پر اکتفا کر سکیں۔ [۳]

اس ضمن میں جسٹس محمد یوسف صراف کی تصنیف سے Vigne کے صفحہ 241 کے حوالے سے لیا گیا درج ذیل اقتباس پیش کیا جاتا ہے تا کہ پونچھ کی تاریخ میں رونما ہونے والے ظلم و تشدد کی

اس انوکھی مثال کو منظر عام پر لایا جا سکے جو دنیا کی تاریخ میں کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی۔

"The executioner hesitated, and Gulab Singh asked him if he were about to operate up on his father or mother, and rated him for being so chicken-hearted. He then ordered one or two of the skins to be stuffed with straw., the hands were stiffened, and tied in an attitude of supplication; the corpse was then placed erect; and the head, which had been severed from the body, was reversed as it rested on the neck. The figure was then planted on the way-side, that passer-by might see it., and Gulab Singh called his son's attention to it, and told him to take a lesson in the art of Governing۴

مولوی میر عالم اپنی تصنیف تحریک آزادی کشمیر میں لکھتے ہیں کہ شمس خان اور ان کے بیٹے کے علاوہ جن دیگر مسلمانوں کی زندہ کھالیں کھینچی گئی ان کے نام درج ذیل ہیں۔

''سبز علی خان، ملی خان، اصغر خان آف چھوٹا گلہ، باز خان آف ہاڑی، بلند خان آف ہاڑی، میر باز خان آف بن جونسہ، کالو خان آف ہمروٹہ، فتح شیر خان آف ہمروٹہ، مہندی خان آف دھمنی، مزمل خان آف پلنگی، حیات خان آف جنڈالی، جمداد خان آف رہاڑہ اور امیر علی خان آف علی سوجل۔''

۵ تاہم گلاب سنگھ نے اعتراف کیا کہ صرف تین سرکردہ رہنماؤں کی زندہ کھالیں کھینچی گئیں۔ اس ضمن میں جسٹس محمد یوسف صراف سر لارنس کے حوالہ سے یوں رقم طراز ہیں:

"Lawrence wrote: "During our interview, the Maharaja voluntteered an explanation of the grounds on which he had obtained the Character of a cruel tyrant, saying that in the **Suodan country**, the people had not put his garrisions to the sword but cut up many of the soldiers piece-meal and thrown their corpses to the dogs, that in punishment for such atrocities and precuention of them for the future, he had falyed three ring leaders" 6

ڈوگرہ عہد 1846 سے 1947 تک رہا، اس دوران مہاراجہ گلاب سنگھ، مہاراجہ رنبیر سنگھ، مہاراجہ پرتاب سنگھ اور مہاراجہ ہری سنگھ ڈوگرہ حکمران رہے۔ ڈوگرا دور کی مجموعی صورتحال کا جائزہ لینے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کی خالصتاً آمرانہ سوچ نے ریاست میں ایک آمرانہ نظام کی بنیاد رکھی۔ مسلمان جو کل آبادی کا تقریباً 78 فی صد تھے کا مذہبی،

معاشی اور معاشرتی استحصال اپنے عروج کو پہنچا، فرقہ ورایت کو فروغ دیا گیا اور مسلمان اکثریت کو ہندو اقلیت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنا معمول تھا۔ ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر تھی حتیٰ کہ سرکاری ملازمتوں کے راستے مسلمانوں پر مکمل طور پر بند تھے اور ایک منظّم سازش کے تحت مسلمانوں کو تعلیم کے زیور سے محروم کر رکھا تھا۔ ۷ے 29 اپریل 1865 کو سری نگر میں نہتے مزدوروں کو گولی مار کر سینکڑوں کی تعداد میں زخمی کیا گیا اور 28 افراد کو دریا برد کر دیا گیا۔ ۸مسلمانوں کی زندگی ٹیکسوں کے بوجھ تلے دب کر رہ گئی تھی۔ گلاب سنگھ ہی کے دور میں بیگار کو کشمیری عوام پر مسلط کیا گیا۔ اس ضمن میں پروفیسر محمد سرور عباسی کی تصنیف تحریک پاکستان کے سیاسیات کشمیر پر اثرات سے حاصل کیا گیا درج ذیل اقتباس ضبط تحریر میں لایا جانا مناسب ہوگا جس میں ڈوگرا عہد کے مظالم کی بھرپور عکاسی کی گی ء ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ''ریاست کا چھوٹے سے چھوٹا ملازم چند مخصوص افراد کے سوا جس آدمی کو چاہتا زبردستی اور بلا اجرت باربرداری کے لیے ہانک لیتا۔ ان مظالم پر حرف شکایت لانے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ بنیادی شہری حقوق کا تصور قطعی ناپید تھا۔ پریس اور پلیٹ فارم پر پابندی تھی۔'' ۹ے

قائدِ کشمیر کے مصنف بشیر احمد قریشی مرحوم نے سروالٹر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ'' جب سروالٹر نے بندوبست اراضی کا کام شروع کیا تو اس وقت ہوا اور پانی کے سوا ہر چیز پر ٹیکس تھا یہاں تک کہ گورکن کو بھی ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ آگے چل کر سر فرانسیس ینگ ہسبنڈ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حتیٰ کہ ''قلیوں کو بھی اپنی قلیل ترین مزدوری میں سے سرکاری آدمیوں کو حصہ دینا پڑتا تھا۔ آلڈوس ہکسلے کے مطابق کشمیر میں نصف درجن انسانوں کے ذریعے ریہڑہ کھینچوانا بیل یا گھوڑے کو جوتنے سے زیادہ سستا ہے اور انسانوں پر حیوانوں سے بڑھ کر یہ تشدد انسانیت کی تذلیل ہے۔

مشہور کشمیری مورخ پنڈت پریم ناتھ بزاز نے تاریخ جدوجہد آزادی میں لکھا ہے کہ 1877 کے قحط کے دوران کشمیریوں کی طرف سے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے خلاف ایک یاداشت پیش ہوئی جس میں یہ کہا گیا تھا کہ بے شمار مسلمانوں کو اخراجات سے بچنے کے لیے کشتیوں کے ذریعے دریا میں غرق کر دیا گیا۔ بزاز لکھتے ہیں کہ ہندو اس لیے معزز تھا کہ وہ ہندو تھا اور مسلمان محض اس لیے زلیل تھا کہ وہ مسلمان تھا۔ ۱۰ے

1929 میں سیاسی معاملات کے ریاستی وزیر سر ایلن بنرجی نے بھی لاہور ایسوسی ایٹڈ پریس کے سامنے کشمیری مسلمانوں کی ابتر حالت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ ریاست کی غالب اکثریت

مسلمانوں پر مشتمل ہے جو بالکل ان پڑھ ہے اور غربت و افلاس میں ڈوبے ہوئے ہیں اور انہیں ڈھور ڈنگروں کی طرح چلایا جاتا ہے۔ ۱۱

معروف کشمیری رہنما چوہدری غلام عباس مرحوم اپنی تصنیف ''کشمکش'' میں آلڈوس ہکسلے کے بیان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''آلڈوس ہیکسلے ایک بین الاقوامی شہرت رکھنے والا مصنف ہے۔ اس نے اپنی سیاحت کے جو تاثرات زیب قرطاس کیے ان میں کشمیر کے متعلق دو اہم باتیں مذکور ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ''میں دورانِ سیاحت کشمیر موٹر کار سے جس جگہ گیا وہاں میں نے راستہ میں قدم قدم پر گائیں بیٹھی ہوئی پائیں۔ کار کے اپنے شور، ہارن پر ہارن بجانے اور شوروغوغا کرنے کے باوجود یہ گائیں اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کرتی تھیں۔ شاید ان کو اپنے مذہبی تقدس اور اپنی مامونیت کا احساس تھا۔ دوسرے یہ کہ میں نے کشمیر میں جو ایک اور افسوسناک بات دیکھی وہ یہ تھی کہ وہاں باربرداری کے لیے حیوانوں کے بجائے انسانوں سے کام لیا جاتا ہے۔ میں نے خود دیکھا کہ انسان چھکڑوں کو حیوانوں کی طرح کھینچے جا رہے ہیں۔ جن پر سینکڑوں من بوجھ لدا ہے اور پھر غلامی کی وجہ سے اتنے قانع ہیں کہ چھکڑوں کو کھینچتے وقت گیت گاتے چلے جاتے ہیں۔'' ۱۲

جوزف کاربل اپنی تصنیف Danger in Kashmir میں لکھتے ہیں:

"The state police ruled mercilessly. For minor offenses people were thrown in Jail, often without trial. As late as the 1920's it was a capital offense for a muslim to kill a cow, later, the penalty was reduced to ten years of imprisonment and still later to seven years (section 219 of the state penal code)." 13

بالا اقتباسات اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ ڈوگرا عہد میں انسانیت کی تذلیل اپنے عروج پر تھی حتیٰ کہ گائیں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی حالت زار کا اندازہ بھی با آسانی کیا جا سکتا ہے جو انسان تو تھے مگر بس برائے نام کیونکہ جو مقام گائے کو حاصل تھا مسلمان اس سے کوسوں دور تھے۔ الغرض مسلمانوں کے لیے عزت کی روٹی محال ہو کر رہ گئی تھی۔ حیوانوں کے بجائے انسانوں سے کام لینے کو ترجیح دی جاتی تھی۔ اگرچہ آج کے دور جدید میں بھی شہری منڈیوں میں وہی پرانا اور فرسودہ طریقہ کار موجود ہے جو بلاشبہ انسانیت کی تذلیل کا ثبوت اور ملکی نظام کی خرابیوں و معاشی ناہمواریوں کی واضح نشاندہی کرتا ہے تاہم آج کا آلڈوس ہیکسلے بھی خاموش دکھائی دیتا ہے اور ذمہ دار افراد بھی چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ آج بھی باربرداری کے لیے پاکستان کی بڑی بڑی منڈیوں میں نا صرف

کشمیری مہاجرین کی ایک بڑی تعداد بلکہ ان کے دیکھا دیکھی بے روزگاروں کی ایک کثیر تعداد چھکڑوں اور ریڑھوں کو کھینچ کر گزارہ کرنے پر مجبور ہے۔ حالانکہ آج کا کشمیری اور پاکستانی میں نہ تو غلامی کی زندگی پر مجبور ہے اور نہ ہی ڈوگروں کی حکمرانی مگر ماسوائے افسوس کہ کیا کہنا کہ آج بھی بدقسمتی سے ہماری حکمرانی کے طریقہ کار میں خاطر خواہ تبدیلی آئی ہے اور نہ ہی عوامی سوچ و مزاج میں کوئی بڑا بریک تھرو ہوسکا ہے۔ یہ نا صرف پاکستانی حکمرانوں بلکہ پاکستان میں مقیم کشمیری مہاجرین کے نمائندوں کے لئے کسی المیہ سے کم نہیں جو مہاجرین کے نام پر آزاد کشمیر حکومت سے فنڈز لے کر اپنی جائیدادوں میں اضافہ کرنے میں مصروف کار ہیں۔

ریاستی مسلمانوں کی حالت زار کو زیر بحث لاتے ہوئے چوہدری غلام عباس مرحوم یوں رقمطراز ہیں:

''ریاست کا مسلمان اخلاقی، ذہنی، معاشرتی، مذہبی اور اقتصادی طور پر قریباً ناکارہ اور عضو معطل بن چکا تھا۔ صداقت، شرافت، جرأت و مقابلہ، مقاتلہ حق گوئی و بیباکی، باہمی اخوت، ہمدردی، اتفاق، اشتراکت کے تمام خصائص انسانی ایک ایک کر کے قدرت نے اس سے چھین لیے کیونکہ وہ مجبوری اور ناکامی پر خود قانع ہو چکا تھا اور بجائے اس کے کہ وہ تعہد و غلامی کی زنگ آلود اور کڑی زنجیروں کو توڑنے کی کوشش کرتا اس نے اپنے اہل و عیال اور آئندہ نسلوں کے لیے ناقابل فخر غلامانہ زندگی پر قناعت کر لی اور وہ اسلامی روایات اور آزاد قوموں کے حالات کو یکسر بھول گیا۔ قصہ کوتاہ ریاست کا مسلمان غلامی کی آخری سرحد بھی پھاند چکا تھا۔'' ۱۴ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش موجود نہیں کہ کشمیری مسلمانوں نے جس ہمت و حوصلے اور صبر کے ساتھ ڈوگرہ آمریت کا مردانہ وار مقابلہ کیا اس کی انسانی تاریخ میں مثال کم ہی ملتی ہے۔ اس ضمن میں ٹائنڈیل بسکو نے اپنی تصنیف "Kashmir in Sunlight & Shade" میں لکھا ہے کہ ''جس ظلم اور بربریت کو کشمیری عوام نے برداشت کیا اگر برطانوی قوم کو اس کا سامنا ہوتا تو ممکن ہے کہ ہم اپنی مردانگی تک کھو دیتے۔ ۱۵ مہاراجہ پرتاب سنگھ کے دور حکومت میں غیر ریاستی باشندوں کو سرکاری ملازمتوں میں لیا گیا اور اعلیٰ عہدوں پر پنجاب سے ملازمین کو مسلط کیا گیا۔ ۱۶ مہاراجہ ہری سنگھ اگرچہ کسی حد تک تعلیم یافتہ اور روشن خیال تصور کیا جاتا تھا مگر اسی فرسودہ اور ظالمانہ نظام کا پیروکار ثابت ہوا جس کی بنیاد مہاراجہ گلاب سنگھ نے ڈالی تھی۔ حالانکہ مہاراجہ ہری سنگھ نے اقتدار سنبھالتے وقت یہ کہا تھا کہ میں ہندو ضرور ہوں مگر بحیثیت حکمران میرا مذہب انصاف ہے۔ ۱۷

اس میں کوئی شک نہیں کہ مہاراجہ ہری سنگھ نے جہاں نظام کی بے شمار خرابیوں میں اصلاح کی کوشش کی وہاں 13 جنوری 1927 کو ''پشتینی رعایائے ریاست'' کے نام سے قانون کا نفاذ در حقیقت کسی کارنامہ سے کم نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسی قانون کی وجہ سے ریاست کسی حد تک بیرونی سرمایہ کاروں اور غیر ریاستی باشندوں کی آبادکاری سے محفوظ رہی ورنہ اسرائیل کی طرز پر کشمیر کی مسلم آبادی کو بھی آج تک ہندو اکثریت میں تبدیل کر دیا گیا ہوتا۔ اگرچہ تقسیم ہند کے دوران ہندو مسلم فسادات اور بڑے پیمانے پر ہجرت کرنے والے ہندوؤں کی اکثریت کو جموں میں منظّم سازش کے تحت آباد کرتے ہوئے جموں کو ہندو اکثریتی صوبہ میں تبدیل بھی کر دیا گیا ہے تاہم اس میں دیگر محرکات بھی ہیں۔ بہرصورت مذکورہ بالا قانون ہی کی رو سے ریاست کی تمام آسامیوں پر صرف باشندگان ریاست کو ہی مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ لیکن عملاً انتظامیہ کے بڑے عہدوں پر راجپوتوں اور ادنیٰ آسامیوں پر کشمیری پنڈتوں نے اجارہ داری قائم کر لی۔ ۱۸

مہاراجہ نے راجپوتوں کو معیار قابلیت کے بغیر معقول اور ذمہ دار عہدوں پر فائز کیا۔ فوج کا بہت بڑا حصہ انہی پر مشتمل تھا۔ ان کے علاوہ کانگڑہ کے راجپوتوں، نیپالی گورکھوں اور پنجابی سکھوں کو تو فوج میں بھرتی کیا جاتا لیکن اہل وادی کی فوج میں بھرتی پر مکمل طور پر پابندی عائد کی گئی تھی۔ 19

''قانون تحفظ زمیندارہ'' کا نفاذ بھی مہاراجہ کی عوام دوستی کا ثبوت ہے اور اس قانون کے نفاذ پر نا صرف روزنامہ ''زمیندار'' لاہور نے اپنی 23 نومبر 1926 کی اشاعت میں ایک اداریہ لکھا جس میں مہاراجہ کی عوام دوستی کا اعتراف کیا گیا بلکہ آل انڈیا مسلم لیگ نے بھی دسمبر 1926 دہلی میں منعقد ہونے والے اپنے اٹھارہویں سالانہ اجلاس میں مذکورہ قانون کے نفاذ کے ضمن میں مہاراجہ ہری سنگھ کا شکریہ ادا کیا۔ بیگار کی منسوخی، قانون انتقال اراضی، محکمہ انصاف کو نظم ونسق سے علیحدہ کرنا، سماجی برائیوں کے خلاف انسدادی قوانین کا نفاذ مہاراجہ ہری سنگھ کے دور حکومت کے اہم اقدامات تھے۔ ان اقدامات اور مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے پروفیسر محمد سرور عباسی کی تصنیف کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد آزادی سے حاصل کیا گیا درج ذیل اقتباس حقائق کی صحیح معنوں میں ترجمانی کرتا ہے جس میں موصوف نے مختلف حوالوں کی مدد سے احسن انداز میں اس وقت کے حالات کی منظر کشی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''یہ اقدامات اور اصلاحات عمدہ اور مفید تھیں اور اس وقت کے لحاظ سے ان کی بہت اہمیت تھی لیکن ریاست کی پریشان اور بدحال آبادی کی اصلاح وترقی کے لیے ان کی حیثیت آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ مسلمان غیر معمولی مصائب کا شکار تھے اور نظام حکومت کی

بدعنوانیوں اور ہندو عمال کی چیرہ دستیوں سے ان کی انفرادیت مسخ ہو چکی تھی۔ انہیں دوبارہ آدمیت کی سطح پر لانے کے لیے زبردست اصلاحات کی ضرورت تھی۔ تحریر و تقریر، جماعت سازی اور مذہبی آزادی سے پابندی اٹھانے کی ضرورت۔ ریاست کی اقتصادی، تعلیمی، تجارتی اور تمدنی ترقی میں شامل کرنے کی ضرورت۔ نظام حکومت کو بدعنوانیوں سے پاک کرنے اور انہیں بلحاظ آبادی نظم و نسق میں شریک کرنے کی ضرورت اور زمینوں پر آنکہ مالکانہ حقوق تسلیم کرنے کی ضرورت تھی۔ یہ تمام امور مہاراجہ کی فوری توجہ کے مستحق تھے لیکن ان کا تصفیہ کرنے میں اس نے تساہل اور غفلت کا ثبوت دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وسعت نظر سے عاری، نا اہل مشیروں اور خوشامدی درباریوں نے مہاراجہ کے گرد ایک حصار کھڑا کر دیا تھا اور رعایہ کے ساتھ اس کا رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔ ۲۰

1924 میں مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت سے ایک سال قبل سری نگر میں ریشم کے کارخانے کے مزدوروں نے شرح مزدوری میں اضافے اور ناانصافیوں کے خلاف ہڑتال کی جسے بغاوت کا نام دے کر سختی سے کچلا گیا۔ جو اس امر کا غماز ہے کہ بنیادی حقوق کے لیے آواز بلند کرنا سنگین جرم تصور کیا جاتا تھا۔ ۲۱

1927 سے قبل حکومت اور فوج کی ملازمتوں میں مسلمانوں کے لیے راستے مکمل طور پر بند تھے کیونکہ صرف مقامی پنڈت ہندو اور سکھ ہی حکومت کے اہم اور منافع بخش عہدوں پر فائز رہے۔ اسی طرح ریاستی فوج پر بھی انہی لوگوں کا قبضہ رہا۔ سیاسی سطح پر بھی مہاراجہ کی مہربانیاں اور نوازشات صرف اور صرف پنڈتوں، ہندوؤں اور سکھوں تک ہی محدود تھیں۔ حتیٰ کہ 1931 میں مہاراجہ نے تین سیاسی پارٹیوں کے قیام کی اجازت دی مگر مسلمان جہاں تھے وہیں رہے۔ ۲۲

کشمیری مسلمانوں پر مظالم اور ناانصافیوں پر مبنی تاریک رات کا خاتمہ نہ ہو سکا بلکہ مذہبی معاملات میں مداخلت کے پے در پے واقعات نے مسلمانوں میں بے چینی کی کیفیت پیدا کر دی اور مسلمانوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف کلمۂ حق بلند کیا جس کی پاداش میں 13 جولائی 1931 کو مظاہرین پر ناحق گولیاں برساتے ہوئے 22 مسلمانوں کو شہید کیا۔ کشمیری مسلمانوں کو بنیادی حقوق کی فراہمی کے بر عکس تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ 1931 کے المناک سانحہ کے بعد بھی سینکڑوں کی تعداد میں کشمیری مسلمانوں کو شہید کیا گیا ۲۳۔ اور بعد ازاں ڈوگرا مہاراجہ ہری سنگھ اور نہرو گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں تقسیم ہند کے وقت کشمیری عوام بالخصوص مسلمانوں کا قتل عام کیا جو دراصل مہاراجہ ہری سنگھ کے کٹر ہندو ہونے کا واضح ثبوت ہے اور اس حقیقت کا اعتراف از خود مہاراجہ کے بیٹے کرن سنگھ نے بھی اپنی سوانح حیات

میں ان الفاظ میں کیا کہ ''باپو کٹر قسم کے ہندو تھے''۔[۲۴]

مختلف مورخین اور محققین کے مختلف حوالہ جات کی روشنی میں عیاں ہے کہ سکھ اور ڈوگرا عہد میں نا صرف بالعموم کشمیری عوام اور بالخصوص مسلمانوں کا بری طرح استحصال کیا گیا بلکہ انسانیت کی تذلیل اپنے عروج پر تھی۔ آمرانہ نظام رائج تھا۔ قانون نام کی چیز نہ تھی بلکہ قوانین کا اطلاق ہندو اور مسلمانوں پر یکساں نہیں کیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کو تعلیم اور سرکاری ملازمتوں سے محروم رکھا جاتا تھا اور حکومت انہیں کسی بھی طرح سے انسان تصور کرنے کے لئے تیار ہی نہ تھی۔ اس حقیقت کا اعتراف از خود مہاراجہ ہری سنگھ کے عہد میں ۱۹۲۹ کے دوران ریاستی وزیر برائے سیاسی آمور سر ایلین بنر جی نے لاہور ایسوسی ایٹڈ پریس کے سامنے کیا۔ بین الاقوامی شہرت یافتہ محققین و مصنفین سر لارنس، سر والٹر، سر فرانسس ینگ ہیسبنڈ، الڈوس ہکسلے، جان بی آئر لینڈ، ٹاینڈیل بسکو، ویکفیلڈ اور جوزف کاربل نے کشمیری پر ڈھائے جانے والے مظالم کو بے نقاب کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا ہے معروف کشمیری مورخ پنڈت پریم ناتھ بزاز اور کشمیری رہنما چوہدری غلام عباس نے ڈوگرا عہد میں کشمیری مسلمانوں کی حالت زار کو نہایت عمدہ طریقے سے عیاں کیا ہے۔ جسٹس محمد یوسف صراف کی کتاب Kashmiris fight for freedom، کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد آزادی از پروفیسر محمد سرور عباسی، کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد، منتخب دستاویزات از مرزا شفیق جرال، قائد کشمیر از بشیر احمد قریشی اور دیگر تصانیف کے حوالوں سے کشمیری مسلمانوں کے مذہبی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی استحصال کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆☆☆☆

حواشی

1- Justice Muhammad, Yousaf Saraf, Kashmiris fight for Freedom, Vol-1, P.240.

۲ راجہ سجاد لطیف، مطالعہ کشمیر، ص:۶۲

۳ ایضاً

4- Justice Muhammad, Yousaf Saraf, Kashmiris fight for Freedom, Vol-1, P.88.

۵ مولوی میر عالم خان، تحریک آزادی کشمیر، ص:۹۷

۶ جسٹس یوسف صراف، ص:۸۸

۷ پروفیسر محمد سرور عباسی، تحریک پاکستان کے سیاسیات کشمیر پر اثرات، ص:۱۸

۸ مرزا، شفیق حسین کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد 1931-1939، منتخب دستاویزات، قومی ادارہ برائے تحقیقی تاریخ وثقافت، اسلام آباد، ص:۶

۹ پروفیسر محمد سرور عباسی، تحریک پاکستان کے سیاسیات کشمیر پر اثرات، ص:۱۸

۱۰ بشیر احمد قریشی، قائد کشمیر، ص:۱۰

۱۱ ایضاً، ص:۱۰۔۱۱

۱۲ چوہدری غلام عباس، کشمکش، صفحہ ۴۴

13- Danger in Kashmir, By, Josef Korbel, Oxford University Press, Karachi, Pakistan,p-15

۱۴ چوہدری غلام عباس کشمکش، صفحہ ۴۵

15- Tyndale Bisco, C,F, Kashmir in Sunlight & Shade, London, 1922, P-79.

16- Pandit, Prem Nath Bazaz, Struggle for freedom in Kashmir, P-172.

17- Wakefield, G.E.C, Recollections, Lahore, 1943, P-193.

18- Pandit, Prem Nath Bazoz,Struggle for freedom in Kashmir, P-145,146.

۱۹؎ پروفیسر محمد سرور عباس، کشمیری مسلمانوں کی جدو جہد آزادی، انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز آزاد جموں وکشمیر یونیورسٹی مظفر آباد، ص:۵۶

۲۰؎ پروفیسر محمد سرور عباس، کشمیری مسلمانوں کی جدو جہد آزادی، انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز آزاد جموں وکشمیر یونیورسٹی مظفر آباد، ص:۵۶، ۵۵

۲۱؎ مرزا، شفیق حسین، کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد 1939-1931 ،منتخب دستاویزات ،قومی ادارہ برائے تحقیقی تاریخ وثقافت، اسلام آباد، ص:۶

۲۲؎ مرزا، شفیق حسین، کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد 1939-1931 ،منتخب دستاویزات ،، قومی ادارہ برائے تحقیقی تاریخ وثقافت، اسلام آباد، ص:۷

۲۳ سردار ساجد محمود، مضمون وکتابچہ بعنوان شہدائے کشمیر سے قرارداد الحاق پاکستان تک، جموں و کشمیر لبریشن سیل، مظفر آباد

۲۴ سردار ساجد محمود، مضمون، نام نہاد الحاق کی حقیقت، از، سردار ساجد محمود، روزنامہ جموں وکشمیر، اسلام آباد، 27 اکتوبر 2014ء

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 36, Sr.No.98, 2015, pp 73 - 82

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۶، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۵ء، شمارہ ۹۸

معرفی و بررسی آثار مولانا خالد نقشبندی

☆دکتر محمد ناصر☆☆سعدیه مشتاق

Abstract:

Naqshbandiyeh is one of the most celebrated abd widely accepted Sufi Orders, in Iran, Subcontinent and more importantly in Afghanista, Tajikistan and particularly Central Asian Muslim states. This significant Sufi Order gaind roots, and then flourished widely in India, China, Turkey, Kurdistan and Kurdistan as well. Maulana Khalid Naqshbandi is one of the most distinguished and illustrious poets of this major sufi order, which has rendered substantial services in the field of Mysticism and Religious Study. In this research article, the life and literary works especially poetry of Maulana Khalid Naqshbandi has been briefly introduced and critically analysed.

Key words: Persian Literature, Mystic prose & poetry, The Naqshbandia Order, Maulana Khalid Naqshbandi, Introduction & Analysis.

سلسلهٔ نقشبندیه یکی از معروفترین و فعالترین سلسله های تصوف است که در قرن سیزدهم هجری قمری دارای اهمیت خاصی بود. طریقهٔ نقشبندیه در آن دوره، در هند، چین، ترکستان، ترکیه و کردستان ایران پیروانی داشت. مولانا خالد نقشبندی از نماینده ترینِ شاعران سلسلهٔ نقشبندیه است که فعالیت وی از لحاظ عرفان و شعرِ تصوف وعرفان در این دوره چشمگیر بوده است. او از مشایخ معروف نقشبندیه وخلفای شیخ عبدالله دهلوی به شمار می رود که در سنندج و سلیمانیه به ترویج عقاید نقشبندیه پرداخت.

☆ عضوهیأت علمی گروه فارسی دانشگاه پنجاب لاهور
☆☆ دانشجوی دورهٔ دکتری فارسی دانشگاه پنجاب لاهور

فخرالعارفین زین السالکین مولانا خالد نقشبندی از سلیمانیه است. (هدایت،٤٢٤) به عقیدهٔ اغلب نویسندگان خالد، فرزند مولانا حسین، در سال ۱۱۹۳ق درقصبهٔ قره داغ دیده به جهان گشود. (بیگی شیرازی،۱ /٥٢٦؛ صفا،٢٤٧/٤) نام وی را ضیاء الدین پسر محمد زوری نوشته اند. (آقا بزرگ،٢٨٣/١) خیرالدین زرکلی سال تولد او را ۱۱۹٥ق ثبت کرده است. (معتمدی،٢١) "قره داغ" از سلیمانیه پنج فرسنگ فاصله دارد. فاطمه خاتون، مادر وی، از سادات پیرخضری، منسوب به سید محمد زاهد پیرخضرعارف نامی قرن هفتم، است. خالد تحصیلات مقدماتی را از مولانا احمد بن حسین عثمانی، پدر بزرگ خود، فراگرفت، و بعد از آموختن صرف ونحو وقرآن مجید در قره داغ برای ادامهٔ درس راهی سلیمانیه شد. (معتمدی،٢١) و از محضر استادان بزرگ مانند شیخ عبدالله خریانی، سید عبدالرحیم برزنجی، سید عبدالکریم برزنجی، ملا عبدالرحیم زیاری، ملا صالح تره ماری وملا محمد بالکی استفاده کرد. (همو،٢٣) در سال ۱۲۲۰ق به حج کعبه رفت. (همو،٣٠) هنگام بازگشت غزلی سرود:

وا حسرتا جدا شدم از خانهٔ خدا — از غصه وقت گشت شود دل ز هم جدا
ما را نبود خواهش رفتن زکوی دوست — اما چو امر اوست، ز سر می کنیم پا
اهل صفا به داغ غم مروه مرده اند — من شاد چو زیم، که شدم دور از صفا
حجر و مقام و زمزم و ارکان وملتزم — گویند باز گرد، کجا می روی کجا
دامان دل گرفته برندم کشان کشان — حنانه، روضه، منبر و محراب مصطفی
از اشتیاق یثرب و درد فراق بیت — کاهی است دل فتاده میان دو کهربا
خالد چو دوست در همه جا جلوه گر شود — پس غم مخور ز خانهٔ او گر شدی جدا

(همو،٢٤٠)

پس از آن برای فراگرفتن زبان فارسی به ایران رفت، و در تهران با شیخ اسماعیل کاشی مباحثات فراوانی داشت، بعد از چند سال به عراق بازگشت، و سرانجام به سال ۱۲۲۲ق باردیگر از طرف مکریان به تهران رسید و از راه بسطام،

خرقان، سمنان، نیشاپور، توس ومشهد وارد افغانستان شد و از شهرهای هرات، کابل وقندهار دیدن کرد، و از راه پیشاور عازم دهلی شد.

در بسطام پس از زیارت آرامگاه با یزید بسطامی، منظومه ای در وصف او سرود. مطلع:

یا رب به حق تربت سلطان بایزید　　یا رب به قاطعیت برهان بایزید

(همو،۳۲)

وی در مشهد پس از زیارت مرقد منور امام رضا قصیده معروف به نظم کشید. مطلع:

این بارگاه کیست که از عرش برتر است　　وز نور گنبدش همه عالم منور است

(همو،۳۳)

مولانا قطعهٔ زیر را هنگام ترك مشهد مقدس به عنوان "وداع با حضرت رضا" سرود:

خالد بیا وعزم سفر زین مقام کن　　به روضهٔ رضا به دل وجان سلام کن
از گفتگوی خام روافض دلم گرفت　　بر بند بار و قطع سخنهای خام کن
بدعت سرای توس نه جای اقامت است　　برخیز و روی دل به در پیر جام کن
از خاك قندهار و هری نیز درگذر　　مقصود دل چو خاص بود ترك عام کن
وز شام و مکه ات گره از کار وا نشد　　من بعد صبح را به ره هند شام کن
خود را به خاك پای غلام علی فکن　　محو هوای روضهٔ دارالسلام کن
در کار خواجگی همه عمرم به باد رفت　　خود را دمی به خدمت آن شه غلام کن
خالد چو هیچکس به سخن مرد ره نشد　　بگذر ز هرچه هست و سخن را تمام کن

(همو،۳۱٦)

در پیشاور با علمای آن زمان به مباحثه پرداخت، سوالهای شان را پاسخ داد، سپس عازم لاهور شد و در حومهٔ لاهور به خدمت مولانا شیخ ثناء الدین نقشبندی، همکیش شاه عبدالله نقشبندی، رسید، وهمان شب در خواب دید که شیخ او را با تمام نیرو به جانب خویش می کشاند، ولی موفق نمی شود. فردای آن روز بدون آنکه

مولانا از این خواب سخنی به میان آورد، شیخ ثناء الدین گفت: "خالد، برو نزد برادرم، شاه عبداللّٰه." پس به دستور وی مولانا در دهلی درخدمت شیخ عبداللّٰه دهلوی رسید و به طریقت نقشبندیه پیوست، و در مدح شاه عبداللّٰه قصیده عربی سرود. مطلع:

کملت مسافة کعبة الآمال　　　حمدا لمن قد من بالاکمال

(همو،۳٤)

اینجا چنان مورد توجه قرار گرفت که در مدت کوتاهی قرب حضور ومشاهده را به خود اختصاص داد وسینه اش تجلی گاه انوار حق گردید، و به مقام فنا و بقا ارتقاء دست یافت. شاه عبداللّٰه اجازهٔ ارشاد طریقهٔ نقشبندیه داد. مولانا خالد قصیده ای بسیار زیبا را در مدح شاه عبداللّٰه به نظم کشید که چند از آن نقل می شود:

دهید از من خبر آن شاه خوبان را به پنهانی　　　که عالم زنده شد بار دگر از ابر نیسانی
صف نظارگان در انتظارش چشم در راه اند　　　پری رویان همه جمع اند و مطرب در غزلخوانی
غلام قد خود سازد همه آزاده سروان را　　　دهد شمشاد را از لاف رعنایی پشیمانی
شود روشن به دیدار شریفش دیدهٔ نرگس　　　رهد از پای بوسش سنبل از پریشانی
هزاران را به بوی گل، دگر ره دیده شد روشن　　　بسان چشم یعقوب از شمیم ماه کنعانی
گلستان سبز وطوطی سبز و حنیا سبز در سبز است　　　نکیسا را کجا زیبد درین محفل خوش الحانی
هزاران گل شکفتند از نسیم صبح در یك دم　　　چو دلهای مریدان از نگاه قطب ربانی
چراغ آفرینش، مهر برج دانش و بینش　　　کلید گنج حکمت، مخزن اسرار سبحانی
مهین رهنمایان، شمع جمع اولیای دین　　　دلیل پیشوایان، قبلهٔ اعیان روحانی
عبیداللّٰه شاه دهلوی کز التفات او　　　دهد سنگ سیه خاصیت لعل بدخشانی
نشد با طول صحبت ز اولیای یثرب وبطحا　　　میسر آنچه از وی شد مرا نادیده ارزانی
ز بنده خاکروبان درش را باد صد زنهار　　　ز کف ندهند آن اکسیر اعظم را به آسانی
تمنای قبولش دارم و دانم که نا اهلم　　　مدد یا روح شاه نقشبند و غوث گیلانی
سگم از سگ بسی کمتر تو نجم للدین صفت جلا　　　بدین سگ بنگر از روی کرم زانسانی که می دانی
به خود کن آشنا چون کردیم از خویش بیگانه　　　عطای احمدی فرما چو ما کردیم سلمانی

بدانسان مظهری شد جان پاکت جان جانان را به چشم اهل بینش این زمان خود جان جانانی
ز جام فیض خود کن خالد درمانده را سیراب که او لب تشنهٔ تیه است و تو دریای احسانی
(همو، ۲۹۲ـ۲۹۷)

خالد از مشایخ معروف نقشبندیه و خلفای شیخ عبدالله دهلوی به شمار می رود. (صفا، ۲٤۷/٤) مدت اقامت وی در دهلی یك سال و نیم طول کشید، سپس به سنندج برگشت و به ترویج عقاید نقشبندیه پرداخت. مولانا بیشتر زندگانی خود را در سلیمانیه در راه تصوف وعرفان بسر برد، و مردم از دور و نزدیك برای کسب فیض به خدمت وی می آمدند. گروه های متعددی از عراق، سوریه، افغانستان، حجاز، ماوراء النهر وعمان و دیگر کشورهای اسلامی و بزرگانی همچون ملا عبدالرحمان روزبهانی، ملا عبدالله جلی، شیخ عثمان سراج الدین ته ویله ئی، ملا مصطفی خورمالی وچند تن از علمای خانوادهٔ حیدری منجمله سید صبغة الله آفندی حیدری به خدمت وی رسیدند، و در ردیف مریدانش قرار گرفتند. مولانا در سال۱۲۳٦ق شیخ عبدالله هراتی را به عنوان جانشین خانقاه سلیمانیه معرفی کرد، و همراه با خانوادهٔ خود راهی بغداد شد، و در تکیهٔ خالدیه اقامت گزید. در۱۲٤۰ق باردیگر به حج رفت، و در سفر مراجعت به سوریه، در شب جمعه ذیقعده ۱۲٤۲ق رخت از جهان بربست. (ندیم، ۱٤۰)

بنا بر عقیده ای "در شهر زود به مرض طاعون وفات یافت، به قول صحیح در سال یك هزار و دویست وچهل ودو هجری بود، و پنج خلیفه به تعاقب یکدیگر معین نمود، وچهار تن به همان مرض بر وی ملحق گردید." (بیگی شیرازی، ۵۲٦/۱)

خالد سه تا همسر داشت که نخستین آنها دختر یوسف آغای میکائیلی بوده که پس از درگذشت خود وی وفات یافت. خالد از وی چهار پسر به نام شهاب الدین، بهاء الدین، عبدالرحمان و نجم الدین داشت. در دوران سفر برگشت از هند زن دوم گرفت که اهل بغداد بود. سومین همسرش خواهر سید اسمعیل غزی، از خلفای خود خالد، و از دیار فلسطین بود. خالد از وی یك دختری داشت که یك سال پیش از وفات مولانا متولد شد. (معتمدی، ۵۲)

پس از در گذشت خالد، شیخ اسمعیل انارانی بنا بر وصیت خود وی، در تکیهٔ خالدیه در دمشق به ارشاد مشغول شد، اما مبتلای مرض طاعون شد و پس از ۲٤روز بیماری فوت کرد و در جوار آرامگاه خالد به خاك سپرده شد. سپس شیخ عبدالله از سلیمانیه به دمشق آمد و در تکیهٔ خالدیه به وعظ و ارشاد مشغول شد. متأسفانه او نیز دچار مرض طاعون گردید و سرانجام در۱۲٤٥ق چشم از جهان بربست، و در برابر آرامگاه شیخ اسماعیل مدفون شد. پس از آن شیخ عبدالفتاح باکمال رغبت به ارشاد مریدان و سرپرستی خانوادهٔ خالد مشغول شد، و تا زمان فرمانروایی سلطان عبدالمجید خان در سوریه تبلیغات خود را ادامه داد. سالها بعد شیخ عبدالفتاح از بغداد به استنبول عزیمت کرد، و همانجا در ۱۲۸۳ق جهان فانی را وداع گفت. غیر از آنها خلفایی از پیشوایان طریقت خالدیه در نقاط مختلف جهان شهرتی بسزا داشتند، معروفترین آنها بدین ترتیب اند:

ـ شیخ عثمان سراج الدین ته ویله ئی

ـ محمد بن سلیمان، نویسندهٔ حدیقه الندیة

ـ ملا ابوبکر کردی گلانی، نویسندهٔ صفوة التفاسیر

ـ ابراهیم فصیح حیدری، نویسندهٔ المحد التالافی مناقب الشیخ خالد

ـ شیخ خالد کردی، خلیفهٔ وی در مدینه منوره

ـ علامه شیخ محمد قرمشلی، پیشوای بزرگ شافعیه در دیار بکر

ـ سید طه نهری، عالم بزرگوار عصر

ـ سید عبدالله حیدری

ـ شیخ احمد خطیب اربلی (همو،٥٤ـ٥٨)

دربارهٔ تألیفات خالد چنین آمده است:

ـ تعلیقاتی مدون بر حاشیهٔ خیالی در شرح عقاید نسفی و حاشیهٔ عبدالحکیم در علم کلام.

ـ العقد الجوهری فی الفرق بین کسبی الماتریدی والاشعری، در علم کلام

که شیخ عبدالحمید خرپوتی، شرحی تحت عنوان "السمط البعقری، فی شرح العقد الجوهری" برآن نگاشته و ابراهیم فصیح حیدری بغدادی شرح دیگری بر آن نوشت.

ـ شرحی بر "اطباق الذهب" جار اللّٰه زمخشری، به فارسی.

ـ شرحی بر مقامات حریری که ناتمام ماند.

ـ شرحی مدون برکتاب "جمع الفوائد، من جامع الاصول ومجمع الزوائد من کتب الحدیث" که نویسندهٔ معاصر وی محمد بن سلیمان مغربی چهارده حدیث مستند را در آن گردآوری کرد.

ـ حاشیه ای بر "النهایة " رملی در فقه شافعی.

ـ شرح برعقاید عضد به در علم کلام.

ـ رساله ای در بحث عبادات برای مریدانی که حنفی بوده و بعدها به مذهب شافعی گراییدند.

ـ حاشیه ای به نام " تتمه" بر کتاب عبدالحکیم سیالکوتی در نحو.

ـ دیوان شعر به سه زبان:کردی، فارسی وعربی؛ که در ۱۲۶۰ق در استانبول به چاپ رسید.

ـ جالیة الاکبار فی تقلبات الامصار

ـ شرحی بر حدیث ایمان تحت عنوان "فرائد الفوائد" به فارسی که عقاید اسلامی را در آن جمع آوری کرد.

ـ کتاب "جلاء الاکدار و السیف البتار بالصلوة علی النبی المختار" که در آن به ترتیب حروف الفبایی نام اصحاب غزوهٔ بدر را گرد آورد.

ـ رساله ای در آداب ذکر طریقت نقشبندی، این کتاب با دیگر نامه های عربی مولانا خالد درکتاب "بغیة الواجد" در مجلد به طبع رسید.

ـ رساله ای در باب آداب مرید با شیخ که در شهر غازان در روسیه چاپ شد.

ـ نامه های خالد به زبان عربی دربارهٔ اسرار تصوف که به کوشش شیخ

محمد اسعد، فرزند برادر زادۂ خالد جمع آوری شد.

ـ رساله ای در اثبات رابطه که در کتاب "بغية الواجد" انتشار یافت.

ـ نامه های فارسی خالد در یك مجلد بزرگ که هنوز به طبع نرسیده است.(همو،۱٤۷)

نمونۂ کلام خالد:

جز تو سرمایۂ جان نیست مرا — بی تو سودای جنان نیست مرا
کی کنم قول کسی در حق تو — گوش جز تو به جهان نیست مرا
گر شوم از سر کوی تو جدا — غیر فریاد و فغان نیست مرا
بی وصالت که جز او مایۂ عیش — نیست شادی به روان نیست مرا
به وفای تو که تا روز وفات — جز وفا از تو گمان نیست مرا

(همو،۲٤۲)

☆☆☆

چنان ببریدی آخر رشته های آشنایی را — که نتوان داد داد شکوۂ روز جدایی را
پس از همخانگی چندان بیابان درمیان آمد — کبوتر برنتابد خط شرح بینوایی را
کس کاو باشد از اهل سعادت چون روا دارد؟ — به حرف دشمن دین ترك احباب خدایی را
چنان دانم که ناگه دامن از وصلت بر افشانم — که تا بینی جزای این همه بی اعتنایی را
بود بس ناروا در ناز و نعمت ناسپاسی ها — چسان هرگز روا دارد خدا این ناروایی را

(همو،۲٤۳)

☆☆☆

جای جانان است اینجا، مایۂ جانم کجاست؟ — منزل سلطان خوبان است، سلطانم کجاست؟
چون کواکب صف به صف فوج بتان در جلوه اند — شاه خوبانم کجا، خورشید رخشانم کجاست؟
سخت سرگردانم اندر این شب تاریك هجر — روشنی بخشم کجا، شمع شبستانم کجاست؟
اشکبارم، بیقرارم، دردمندم، دلفگارم — قرة العینم کجا، آرام و درمانم کجاست؟
بلبل فصل خزانم، والۂ شیدای گل — ای دریغا نوگل گلزار رضوانم کجاست؟

قمری بیچاره ام، طوق وفا در گردنم هر طرف کوکو زنان سرو خرامانم کجاست؟
باز دل طرز سخن سنجی ز نو آغاز کرد محفل آرا نکته پرداز سخندانم کجاست؟
خالد خاطر ز خوبان جهان دارد ملال دلربای نازنین و نار پستانم کجاست؟
(همو، ۲٤۷)

☆☆☆

بی روی توام ای مه نو خانه خراب است وز هجر توام صبر به دل نقش بر آب است
در خواب توان دیدنت و خواب نیاید از بس که مرا دیدهٔ اقبال به خواب است
دوشم به نگاه تو دل از باده غنی بود خون جگر امشب می وغم جام شراب است
گر بار دگر دست دهد آن می لعلت ما را چه غم از فوت نی وچنگ و رباب است
خالد اگرت عمر گرانمایه زکف رفت افغان چه کنی، قاعدهٔ عمر ذهاب است
(همو، ۲٤۸)

☆☆☆☆

کتابشناسی:

- آقا بزرگ تهرانی (بی تا) الذریعه الی تصانیف الشیعة، جلد اول، چاپ دانشگاه تهران، تهران
- بیگی شیرازی، احمد دیوان (۱۳٦٦ش) حدیقة الشعراء، جلد اول، تصحیح وتکمیل و تحشیه عبدالحسین نوائی، انتشارات نوائی ، تهران
- توکلی، محمد رؤف (بی تا) تاریخ تصوف در کردستان، جلد اول، تهران
- صفا، ذبیح الله (۱۳۷۳ش) تاریخ ادبیات در ایران، انتشارات فردوس، تهران
- محمود، میرزا قاچار (۱۳٤٦ش) سفینة المحمود، جلد اول، به تصحیح خیامپور، انتشارات مؤسسه تاریخ وفرهنگ ایران، تهران
- معتمدی، مهیندخت (۱٤٦۸ش) مولانا خالد نقشبندی و پیروان طریقت او، شرکت انتشاراتی پاژنگ، تهران
- معصوم، محمد شیرازی (۱۳۱۸ش) طرائق الحقائق، جلد اول، کتابخانۂ سنایی، تهران
- ندیم، اعجازاحمد (۲۰۱۰م) فارسی گویان ایرانی در شبه قاره، آرش پبلشرز، لاهور
- هدایت، رضا قلی خان (۱۳۰۵ش) ریاض العارفین، تهران
- همو (۱۳۳۳ش) مجمع الفصحا، جلد اول، به کوشش مظاهر مصفا، انتشارات امیرکبیر، تهران

❁.....❁.....❁

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 36, Sr.No.98, 2015, pp 83 - 90

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۶، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۵ء، شمارہ ۹۸

احوال و آثار، ابجدی ،محمد اسماعیل، سدِۂ دوازدھم

دکتر امجد جاوید☆

Abstract:

Amir Khosrow (1253-1325 AD) was a Sufi poet,musician and scholar. He is an iconic figure in the cultural history of Subcontinent. He is regarded as the founder of Qawali and he introduced Ghazal style songs in India. He is also credited with introducing Persian, Arabic & Turkish elements in Indian classical music. He was an expert in many styles of Persian poetry which were developed in midieval Persia. He was a prolific poet associated with the royal courts of more than seven rulers of Delhi Sultanate. He is the first poet who followed the foot steps of Nezami Ganjavi (1141-1209 AD) and wrote five Mathnavis in response to his Khamsa. In this article Paradox in his extremely famous five Mathnavis has been introduced, critically evaluated and scholarly analysed.

Key words: Amir Khosrow, Persian Poetry, Khamsa, Paradox, Analysis

میر محمد اسماعیل(مختار الملك، ۲۷؛ دایره معارف بزرگ اسلامی، ۲/۳۶۲؛ انوشه، ٤٧.) شاعرِ پارسی گو و اُردو سرای، سدۂ دوازدهم ۱۲هـ، دربار محمد علی والاجاه فرمانروای ارکات(انوشه،٤٧.) (۱۱٦۳ـ۱۲۱۰هـ/۱۷۵۰ـ۱۷۹٦م) به شمار می رود. او در خاندانی اهل و ادب زاده شد، پدر او سید شاه میر ، از اهالی بیجاپور و از خویشان مورخ مشهور، ملا محمد قاسم فرشته نویسندۂ "گلشن ابراهیمی" معروف به "تاریخ فرشته" بود. پدر و نیای ابجدی شاعر بودند

☆ استاد فارسی، گورنمنٹ ڈگری کالج، حافظ آباد

(محمد حسین محوی ، کلیات ابجدی ، الف ، ب ، ۱۹۴٤ـ۱۹۵٤م ، مدراس) . پدرش از بیجاپور به چنگلوپوت(chingliput) در کرناتك (carnatic) مهاجرت کرد و ابجدی در این شهر متولد شد.(۱)

ابجدی تحصیلات مقدماتی را در زادگاه خود از مرکز فرهنگ اسلامی هند آن روزگار بود، به آموختن زبان عربی وفارسی پرداخت ، او کودك بود که پدرش درگذشت و ناچار به ترکِ خانه شد وسپس در کرکتپله(kirkatpata)دهکده ای نزدیك چنگلپوت اقامت گزید. وهمان جا ازدواج کرد.(دایره معارف بزرگ اسلامی ، ۳٦۲/۲(نقل کرده اند از محوی ، ب، ج)

ابجدی در روزگار حکومت عمدة الملك محمد علی خان بهادر نواب والا جاه اول حاکم اکارت (۱۱٦۳ـ۱۲۱۰هـ/۱۷۵۰ـ۱۷۹٦م) به خدمت نواب مذکور در آمد و مربی فرزند وی نواب عمدة الامراء (۱۲۱۰ـ۱۲۱٦هـ/۱۷۹٦ـ۱۸۰۱م) گردید، و او درس می گفت،(دانشنامه زبان ادب فارسی ، ۱۵۱؛ فرهنگستان زبان وادب فارسی ، تهران ، مختارالملك ، ۲۷، محوی،ب) وابستگی وی به دربار این حکمرانان محلی و بالا گرفتن رقابت در دولت انگلیسی و فرانسه برای حوادث سیاسی جاری درگیر شود.

حامی ابجدی ، نواب والا جاه فرزندِ نور الدین خان گوپاموی نواب کرناتك بود، که در جنگ "عمیر" از فرمانده فرانسوی ، ژزوف فرانسوا دو پله (Joseph francois dupleix) شکست خورد (۱۱٦۲هـ ـ ۱۷٤۹م) و خود و دوپسرش در این نبرد گشته شدند.(دایره معارف بزرگ اسلامی ، ۳٦۲/۲) این واقعه موجب خصومت جانشینان وی با فرانسویان و همکاریشان با انگلیسی‌ها شد. ظاهراً ابجدی به هنگام محاصرۀ مدراس توسط لالی(lally) و بوسی (bussy) فرماندهان قوای فرانسه ، در این شهر اقامت داشته و به سرودن مشهور ترین منظومۀ خود "انور نامه " مشغول بوده است،(اته ، ۱۹٦؛ استوری ، ۷۷۸؛ دولافوز ، ۲۱۷؛ ابجدی حصه اول) و به سبب ملازمت درگاه نواب والا جاه، متحد انگلیسی ها، در شرایطی دشوار

زندگی می کرده است، اما این دوران ریزی نه پایید و شکست فرانسویها از قوای انگلستان به فرمان دهی سرایرکوت (Sir Eyre Coote) و ۱۱۷۳هـ ـ ۱۷٦۰م به قدرت کمپانی هند شرقی فرانسه در جنوب شبه قاره پایان داد. قلاع کرناتك و بوندیچری(Pondieherry) در ۱۱۷٤هـ ـ ۱۷٦۱ م به تصرف کامل انگلیسی ها درآمد و تثبیت. قدرت والا جاه حامی شاعر، از پی آمدهای این تحول تاریخی بود.(دولافوز، ۲۱۷ـ۲۱۸.)

وقتی که فرانسویان در جنوب هند قدرتی تمام یافتند و بریتانیای ها به سر زمین های زیر فرمان روایی اورنگ زیب دست اندازی کردند، ابجدی به دستگاه محمد علی فرمانروان ارکارت ۱۲۱۰هـ پیوسته بود و به فرمان همین نواب ادب دوست، منظومهٔ "انور نامهٔ" خود را سروده و به سال ۱۱۸۹هـ از محمد علی لقب ملك الشعراء گرفت.(مختار الملك، ۲۷؛ دایره معارف بزرگ اسلامی، ۳٦۲/۲؛ انوشه، ٤۷.)

ابجدی به گفته خود، زمانی که مثنوی "راغب و مرغوب" را به شته نظم می کشید، ۷۰ سال از عمرش گذشته بود(دانشنامه زبان ادب فارسی، ۱۵۱؛ فرهنگستان زبان وادب فارسی، تهران.). و پسری ۷ ساله داشته است. اما ٦ سال بعد که مثنوی "مودت نامه" را می سرود، زن و فرزند و برادرش را از دست داده بود.(دانشنامه زبان ادب فارسی، ۱۵۱؛ فرهنگستان زبان وادب فارسی، تهران.) طبق اشاره خود او در "مودت نامه" وی در ۷٦ سالگی به یکی از مشایخ صوفیه به نام علی اکبر ارادت می ورزیده است.(ابجدی، ۳۱؛نقل کرده از مودت نامه.)

ابجدی سنی حنفی بود(ابجدی، حصه اول، ۱٤.) و در اغلب آثار خود به ذکر مناقب رسول اکرم و مدح خلفای راشدین پرداخته، وبا این همه به آل رسول به ویژه به سید الشهداء نیز ارادتی خاص داشته است.

مرگ شاعر ابجدی ۷٦ یا ۷۷ سالگی در ۱۱۹۲هـ ـ ۱۷۷۸م) در گذشت، آرامگاه او در صحن مسجد میلا پور محله واقع است.(محوی، م.)

ابجدی صاحب علم ودانش وابسته تدریس هم بود. در مدارس مدرسه ای

که خود در آن جا تأسیس کرد،(دانشنامه زبان ادب فارسی، ۱۵۱، فرهنگستان زبان وادب فارسی ، تهران.) به تدریس زبان فارسی پرداخت . مؤلف "گلزار اعظم" "کسان زیر را در زمرهٔ شاگردان وی بر شمرده است، عمدة الامراء بهادر ممتاز (حاکم اکارت) ، امیر الامراء بهادر، سیف الملك مختار، اسد الدین خان است....."(دانشنامه زبان و ادب فارسی، ۱۵۱؛ فرهنگستان زبان وادب فارسی، تهران.) پدر وجدّش نیز شعر می سروده اند.(دایره معارف بزرگ اسلامی، ۳۶۲/۲.) و ابجدی هم در اثر آنان همان صفِ شعری غزل، قصیده مثنوی شعر می سروده اند. شعرش ساده ، به طرز متقدمین است.(مختار الملك ،۲۷.)

در کشور عشق است همیشه وطن ما — از روضهٔ قدس است بهار چمن ما
ما بلبل عشقیم درین گلشن رنگین — زان بافته انداز رگ گل پیرهن ما
دستگ بدر سینه زند دل ز طپیدن — شاید که در آید بت سیمین بدن ما
چون لاله گره بسته کند گل زمزارم — خونی که به جوش است نهان در کفن ما
آن آتش عشقش که تپ دل اثر اوست — چون شعله زند شعله به فانوس تن ما
زین کونه اگر ابجدی باشد چه خوش است این — روشن ز رخِ یار شود انجمنِ ما

(مختار الملك، (نقل از نتایج الافکار)

آثار ابجدی اینها است:

۱ـ خمسه: مهم ترین اثر وی است که به تقلید از خمسهٔ نظامی سروده و شامل منظومه های زیراست.

(الف) زهـــدة الافکار ، اولین مثنوی از خمسهٔ شاعر که به پیروی از مخزن الاسرار نظامی گنجوی سروده شده است و ۱۳۰۰بیت دارد ، وحاوی اشعار اخلاقی وعرفانی است. این منظومه به مدت ٤٠ روز سروده شده است.(آقا بزرگ ، ۱۹/۱۲؛ منزوی خطی، ۲۸۵۲/٤؛ محوی ، ح.) این مثنوی پس از مقدمه ای در حمد وسپاس خداوند و مناجات ومعراج نبی به ۲۰ مقاله تقسیم می شود .

(ب) انورنامه ، دومین مثنوی از مثنوی های پنج گانهٔ ابجدی است که در بحرِ متقارب در ۸ هزار بیت به پیروی از "اسکندرنامه " نظامی سروده شده و در

۱۱۷٤هـ پس از ٥ سال در تری چیناپالی (Trichinapally) به پایان رسید.(اته ، ۱۵۷۵،۹۳۱؛ استوری،۷۷۸.) این اثر حماس بسیار مورد توجه والا جاه قرار گرفت چنانکه شاعر را به لقب بهادر وخلعت خاص وصله ای به مبلغ ٦۷۰۰(مختار الملك ، ۲۷.) روپیه مفتخر ساخت. دراین مثنوی رخدادهای مربوط به زندگی انور الدین ومحمد علی جاه تا ۱۱۷٤هـ شرح شده است. از این رو از نظر تاریخی ارزنده ومعتبر است. از آن جمله اثر منثور توزك والاجاهی از منشی برهان خان بن حسن که در مقدمه آن شرحی در ستایش ابجدی مندرج است. ونیز اثر دیگر به نام سوانحات روزگار از خیر الدین حسن حافظ محمد ناصر خان بهادر صمصام جنگ که آن نیز به تقلید از "انورنامه" در ۱۲۵۲هـ / ۱۸۳٦م نوشته شده است.(اته، ۱۹٦،۷۹۳۱.)

(ج) راغب ومرغوب ، سومین مثنوی از مثنوی های پنجگانهٔ ابجدی در ۳۰۰۰ بیت، داستان عشق راغب شاهزاده یمن و مرغوب شاهزاده خانم چین و شرح ماجراهایی است که تا رسیدن این دو به یك دیگر رخ می دهد.(آقا بزرگ ، ۱۸۵/۱۹؛ منزوی ، ۲۸۲۳/٤.) ظاهراً شاعر در ۷۰ سالگی این منظومه را سروده است(ابجدی، حصه سوم /۱۰٤.).

(د) هفت جوهر ، در احوال بهرام گور که آن را در جواب هفت پیکر نظامی سروده است.(منزوی، ۳۳۲۳/٤.)

(هـ) مودت نامه ، آخری منظومه از خمسهٔ ابجدی در جواب خسرو شیرین نظامی ومشتمل ۳۵۰۰ بیت که شاعر در سالگی ۷٦ آن را سروده است. موضوع آن معاشقهٔ همایون حاکم خوزستان و لعل پرور دختر بادشاه بدخشان است، که از روایات عامیانه و رایج روزگار شاعر بود. ابجدی در سرودن این منظومه شیوهٔ بیان جامی در یوسف و زلیخا را در نظر داشته است.

۲ـ دیوان فارسی ابجدی، مجموعه ای از قصاید غزلیات واشعار غنایی اوست که در پایان آن ۱۷ رباعی نیز آمده است. این مجموعه نمودار خوبی است از چگونگی شعر فارسی در این دوره در دکن که تاثیر زبان وادب فارسی و رشد و رواج

آن را در این ناحیه به خوبی نشان می دهد. غزلیات ابجدی، بازتاب عواطف و نازك خیال های عاشقی است.

از اوست:

ای حسن تو جلوهٔ سحرها — وی روی تو قبلهٔ نظرها
مژگان تو چون سنان خونریز — به هر قلب زنند نیشترها
تا دست تو در کمان در آید — شد تیر ترا سپه جگرها
یك چشم تو صد هزار جادو — یك دید تو برق صد نظرها
شد ابجدی از جفای ظالم — آوارهٔ غربت سفرها

(مختار الملك، ۲۸.)

۳۔ شرح تحفة العراقین : اثری منثور که ابجدی آن را در ۱۱۲۰هـ ـ ۱۷۰۸م نوشته شده و شرح ابیات دشوار منظومهٔ معروف خاقانی است.

٤۔ حقیقت نامه: رساله ای کوتاه و منظوم به زبان اردو و شرح عارفانه ای است. خمسهٔ ابجدی، همراه با دیوان اشعار فارس و شرح تحفة العراقین وحقیقت نامه در چهار جلد زیرعنوان کلیات ابجدی در فاصله ۱۹٤٤تا ۱۹٥٤م به کوشش مولوی محمد حسین محوی لکهنوی در مدراس به چاب رسیده است.

٥۔ دیوان ریخته یا دیوان اردو: مجموعه ای از غزلیات ، رباعیات و قطعات او به زبان اُردو است.(اته ، ۹۳۱.)

٦۔ تحفة الصیان : استوری از نسخهٔ خطی این منظومه که در اختیارگارسان دتاسی (Garein de Tassy) بوده یاد می کند.

۷۔ معظم نامه : منظومه ای که به یاد بود جنگ شاهزاده معظم و برادرش شاهزاده اعظم، پسران اورنگ زیب سروده شده است. پس از مرگ اورنگ زیب برسر جانشینی او در ۱۱۱۹هـ ـ ۱۷۰۷م میان این دو برادر در شمال آگره جنگی خونین روی واد که به کشته شدن اعظم انجامید و شاهزاده معظم با عنوان بهادر شاه اول (۱۱۱۹ـ۱۱۲٤هـ/ ۱۷۰۷ـ۱۷۱۲م) جانشین پدرشد.(۲)

۸ـ مجموعه قصاید: که در آن در ستایش رسول اکرم (ص) و خاندان نبوت نیز اشعاری سروده شده است.(محوی ، ز .)

ابجدی شاعرِ معتبر زمانه خود به شمار می رود. هنر و اندیشه های، صنایع و بدایع وصنعت‌های را در شعر خود استعمال می کند. تشبیه و استعارات در شعر فارسی او دیده می شود.

نمونه های کلام او:

تو به امشب به بزم یار شکست عهد در موسم بهار شکست
آب وتاب عذارِ گلگونش رنگ بر روی لاله زار شکست
از سرِ دست دادِ دولت وصل خار در چشم انتظار شکست
آب یخ بستهٔ مرا دم را تابش چهرهٔ نگار شکست
ابجدی رونق دل ما را طرهٔ زلف تابدار شکست
(مختار الملك ، ۲۹.)

صیّاد عشق بامن بیدل چه کار کرد مرغ دلم به زلف پریشان شکار کرد
بیمار نیستم که طبیبم دوا دهد سحر جمالِ ما رخی بی قرار کرد
از جوشِ فخر بود غروری بسر مرا آن حسن دلفریب تو بی اعتبار کرد
منصور را نبود دگر هیچ اعتبار افشای را ز یار سرِ او به دار کرد
گر عاصی است ابجدی اما ز صدق دل در چشم خاك راه شه ذوالفقار کرد
(مختار الملك ، ۲۹.)

ابجدی هر مصرع ماهست لختی از جگر بر بیاض صبع محشر این غزل باید نوشت
(مختار الملك ، ۲۹.)

ابجدی رنگ فلك جمله فریب است و دغا نور خورشید سراب است توهم می دانی
(مختار الملك ، ۲۹.)

یادداشتها

۱۔ دایره معارف بزرگ اسلامی، ۳۶۲/۲؛ "سال تولد او بردرستی دانسته نیست ، ولی از آنجا که گفته اند، درهنگام مرگ ۷٦ یا ۷۷ سال عمر داشته ، احتمالاً در ۱۱۱٦ یا ۱۱۱۷هـ، زاده شده است .دانشنامه زبان و ادب فارسی در شبه قاره فرهنگستان زبان ادب فارسی۔تهران، ۱۵۱.

۲۔ منزوی ، ۳۳۲۳/٤، آقا بزرگ ، ۲٦٦/۲۱؛ دولافوز ، ۱۹٤۔۱۹٦، مزید برآن که نسخۂ خطی این منظوم در دانشگاه پنجاب پاکستان موجود است

کتابشناسی

- آقا بزرگ طهرانی، الذریعه الی تصانیف الشیه، دار الضواء ، القسم الثالث، الجزء التاسع، بیروت.
- اته ، هرمان ، (۱۳۳۷ش)، "تاریخ ادبیات فارسی " (ترجمۂ رضا زاده شفق)، تهران.
- انوشه ، حسن ، (۱۳۸٤ش۔۲۰۰۵م)"دانشنامه زبان وادب فارسی درشبه قاره " جلد اول، تهران.
- دایره المعارف بزرگ اسلامی، چاپ اول ۱۳٦۸ش، انتشارات مرکز دایره المعارف اسلامی ، تهران .
- ابجدی، کلیات ابجدی ، محمد حسین محوی ۱۹٤٤ ۔۱۹۵٤م ، مدراس.
- مختار الملك ،سراج الدوله محمد غوث خان بهادر جنگ ، ۱۲۵۹هـ ، "صبح وطن"، مدراس.
- منزوی ، احمد(بی تا)، "فهرست نسخۂ های خطی فارسی"، (ج۱،۲،۳،٤،۵)، کتابخانۂ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان ، اسلام آباد.

❁.....❁.....❁

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 36, Sr.No.98, 2015, pp 91 - 112

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۶، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۵ء، شمارہ ۹۸

وارث شاہ دے صوفیانہ وچار

پروفیسر ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد☆

Abstract:

Punjabi language has deep rooted tradition of mystic verse. Mystic fragrance is found in all great Punjabi poets' works. Punjabi language is indebted to a great extent to these Sufi poets who have enriched this mellifluous language with their poetic renditions. Waris Shah is a renowned poet of Punjabi who has a legendary work like Heer to his credit. This book is a true picture of Punjabi language and culture. Though this book is basically a story of love in verse form, yet it deals with almost all aspects of life and culture of the Punjab. His treatment of the story is an ample proof of his mystic views too which proves him to be a great Sufi. This article is a study of Waris Shah's mystic thoughts in light of his poetic work.

Key words: Punjabi Folk Literature, Sufi Literature, Waris Shah, Mystical Idealogy, Analysis.

صوفی کون اے؟ ایہدے بارے غور کرن نوں پہلے ایہہ حقیقت سامنے رکھن دی لوڑ اے کہ تصوف خالص اسلام دی پیداوار اے۔ ایہدی بنیاد قرآن تے حدیث اے۔ نبی پاک ﷺ دی حیاتی تے تعلیمات توں ایس دا بیج پنگر یا اے۔ ڈاکٹر براؤن نے فارسی ادب دی تاریخ وچ ایہہ حقیقت تسلیم کیتی اے کہ تصوف دی تعلیم حضور نبی کریم ﷺ دی باطنی تعلیم وچوں نمودار ہوئی اے۔ (1)

☆ ڈین، کلیہ علوم شرقیہ، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

پروفیسر موہن سنگھ ہوری وی اپنی لمی چوڑی تحقیق توں بعد ایس نتیجے تے اپڑے کہ تصوف اسلام دی پیداوار اے تے ایہدی پہلی کونپل قرآن مجید وچوں نبی پاک ﷺ دی پوتر حیاتی تے آپ دی تعلیمات توں پھُٹی۔(2)

ڈاکٹر لاجونتی رام کرشنا دی تحقیق وی ایہواای(3) اے تے پروفیسر لوئی میسن نیون نے وی تصوف دا ماخذ قرآن وحدیث متھیا تے ایہنوں خالص اسلامی تحریک منیا اے۔(4) جیہڑے لکھاری ایس نوں دھکو دھکی یونانی، ہندی، ایرانی تے مجوسی فلسفیاں نال جوڑ دے نیں اوہناں نے ڈُب کے ایہدی پہچان نہیں کیتی۔ایہو وجہ اے کہ اوہناں نے کئی جگہ ٹھیڈے کھادے نیں۔جدوں ایس حقیقت نوں تسلیم کرلیا جائے کہ تصوف اسلام دے بیج توں پھُٹن والا پودا اے تے لازمی امر اے کہ ایہدی غرض وغایت نوں واضح کرن لئی اوہناں بزرگاں ول رجوع کرنا پوے گا،تصوف جیہناں دی زندگی دا اوڑنا بچھونا رہیا اے۔جیہڑے خدا، رسول ﷺ دی خوشنودی لئی خود وی متقی رہے تے لوکائی نوں صراط مستقیم تے چلان دا آہر کردے رہے۔ایجیہے بزرگاں نے یقیناً قرآن تے حدیث نوں مُکھ رکھیا اے۔جیہناں نے اپنیاں زندگیاں خدادی راہ تے نبی پاک ﷺ دے اتباع وچ صرف کردتیاں تے اللہ تعالیٰ نوں اوہناں دا عمل ایناں چنگا لگا کہ قرآن وچ اوہناں نوں نہ صرف انعام یافتہ آکھیا بلکہ اوہناں نوں ہر قسم دے ڈر خوف تے غم نوں وانجھا قرار دیندیاں ہویاں فرمایا:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ .(5)

ترجمہ: خبردار گواہ رہیا جے میرے ایہناں ولیاں نوں کوئی ڈر خوف تے غم نہیں اے،

مطلب ایہہ اے کہ ایہواای اہل تصوف، اللہ دے دوست نیں جیہڑے صوفی کہلاندے نیں۔ایجیہے لوکاں نال رل کے بیٹھن دا حکم دتا گیا اے۔کیوں جے ایہو لوک صبر والے تے سچ دے علمبردار نیں۔ایسے لئی قرآن نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ .(6)

ترجمہ: بے شک اللہ صبر کرن والیاں دے نال اے۔

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ .(7)

ترجمہ: تسیں وی سچیاں دے نال دے ہو جاؤ۔

سرکار دو عالمﷺ دا فرمان اے:

"مَن سَمَعَ صَوتَ اَھلِ التَّصَوُّفِ فَلَا یُؤ مِنُ عَلیٰ دُعائِھِمُ کُتِبَ عِنُدَاللّٰہِ مِنَ الُـغَافِلِیُن." (8)

ترجمہ: جیہنے اہلِ تصوف دی گل سن کے اوہناں دی دعوت قبول نہ کیتی اللہ تعالیٰ دے نزدیک اوہ غافلاں وچ لکھیا گیا۔

نبی کریمﷺ دی بارگاہ وچ بیٹھ کے حق سچ تے صبر واستقامت دی تعلیم حاصل کرن والے بلاشبہ صحابی کہلاندے نیں تے تصوّف دی روشنی اوہناں دے عمل توں اگے ودھدی اے۔ کیوں جے اوہناں دا باطن صفائی والا سی، ایس لئی ایہہ کہیا جاسکدا اے کہ اوہناں خوش نصیب صحابہؓ دی ذات وچ ولی یا صوفی دی ذات وی شامل سی۔ انج ایہہ صحابی اوہ ولی یا صوفی وی سن جیہناں نوں نبی پاکﷺ دی بارگاہ میسر سی تے جیہناں دی ظاہری، باطنی تربیت سرکار دو عالمﷺ دی نگاہِ پُرتاثیر نال ہوئی سی۔ جدوں کہ بعد وچ آن والے صوفی بھانویں اوسے تعلیم دے وارث سن جیہڑی نبی پاکﷺ دی دین سی پر اوہ کمال درجہ عبادت گزار ہون دے باوجود صحابی دے درجے تے ایس لئی نہیں اپڑ سکدے کہ اوہناں نوں سرکار دو عالمﷺ دی بارگاہ وچ بیٹھ کے براہِ راست حضورؐ دی زیارت میسر نہیں ہوسکی۔

وارث شاہ نے اُچے، سچے مرتبے دے مالک خلفائے راشدینؓ دا ذکر کردیاں ہویاں اوہناں نوں رب دے خاص ''بندے'' آکھیا اے:

چارے یار رسولؐ دے چار گوہر سبھا اک تھیں اک چڑھیندڑے نیں
ابوبکرؓ تے عمرؓ عثمانؓ علیؓ آپو اپنی گُنیں سوہیندڑے نیں
جیہناں صدق یقین تحقیق کیتا اگے حق دے سیس وکیندڑے نیں
ذوق چھڈ کے جیہناں نے زُہد کیتا واہ واہ اوہ رب دے بندڑے نیں (9)

یعنی رب دا بندہ ہونا سوکھا نہیں۔ ایہدے لئی خلفائے راشدین ورگی ایمان دی پختگی، نیک عمل اُتے پہرہ تے غیر فطری دنیاوی لذتاں دا ذوق تیاگ کے اوہناں ورگا زہد کمانا ضروری اے۔ گویا ایہناں صحابہؓ دی حیاتی ہی اصل وچ تصوف دا راہ متعین کردی اے۔ ایس توں صاف پتا چلدا اے کہ تصوف

یا درویشی لئی چار چیزاں بنیادی نیں ''صدق، یقین، تحقیق تے زُہد'' ایس توں اگے تصوف دیاں جنیاں وی اصلاحواں نیں اوہ کسے نہ کسے رنگ وچ ایہناں چار بنیادی نکتیاں دی تشریحات نیں۔ تصوف دے رستے دا پاندھی صوفی کہلاندا اے۔ صوفی کیہو جیہا ہونا چاہیدا اے۔ ایہدے لئی بزرگانِ دین نے صوفی دی سیہان لئی جنے وی راہ سُجھائے نیں اوہناں ساریاں وچ ایہوفکر کارفرما نظر آ ؤندی اے۔ اک صوفی زُہد نال اپنے اندر دی صفائی کردا اے۔ تحقیق نال سدھا رستہ تلاش کردا اے۔ فیر اوس رستے اُتے کامل یقین نال گامزن ہوندا تے ایہناں سارے رستیاں توں لنگھ کے صدق دی دولت توں مالا مال ہو جاندا اے تے صدق ہر حالت وچ سچا کلمہ زبان اُتے لیا کے اوہنوں بلا خوف و خطر ادا کرن دا حوصلہ دیندا اے۔ ایہو اوہ مقام اے جیہدی گواہی قرآن نے دتی کہ صدق دی بنیاد اُتے میرے ایہناں ولیاں نوں کسے قسم دا ڈر خوف تے غم نہیں اے۔ ایسے لئی بقول ابوالحسن نوریؒ صوفی اپنی ذات وچ اک زندہ لاش ہوندا اے تے لاش نوں ایسے لئی کسے قسم دا ڈر یا خوف نہیں ہوندا کہ کسے وی طرح دا لالچ اوہدے تے اثر انداز نہیں ہو سکدا۔ کیوں جے اوہدا تعلق ہُن کسے ہور جہان نال جُڑ یا ہویا ہوندا اے۔ ایس ساری صورتحال نوں مُکھ رکھدیاں ہویاں وارث شاہ دے کلام دی تہہ وچوں بوہت سارے فکری نکتے اجیہے اُبھر کے سامنے آ ؤندے نیں جیہڑے تصوف دے اہم مسئلیاں سگوں باریکیاں نوں نال نال لیکے چلدے نیں۔ اوہناں نکتیاں اُتے غور کرن توں پہلے ایس حقیقت نوں دھیان وچ رکھنا ضروری اے کہ وارث شاہ دا اپنا خاندان تصوف دے دو معروف سلسلیاں نال جُڑ یا ہویا سی۔ اوہدے دادا سید گُل محمد قادری سروری سلسلے نال تعلق رکھدے سن تے وارث شاہ اپنے دادے دی حیاتی وچ موجود سن، جیہدا ذکر اوہناں نے مثنوی مولانا روم دا چوتھا دفتر کتابت کردیاں ہویاں صاف لفظاں وچ انج کیتا اے:

> تمام شُد دفتر چہارم مثنوی مولانا جلال الدین رومی بوقت ظہر، چہار شنبہ بتاریخ ہژدہم ماہ رجب در 1123 ہجری بدستخط فقیر احقر انعام خاکپائے سگانِ اہل دل سید گل محمد عفی عنہ برائے مطالعہ خویش بپاس خاطر برخوردار نور چشم فرزندی سید گل شیر شاہ طالع اللہ عمرہٗ وعمر ولدھما سید محمد وارث و محمد قاسم بحرمت محمد النبی اُمی وآلہ اصحابہٖ وزریتہٖ اجمعین۔

یعنی میں ایہہ دفتر اپنے تے اپنے پُتر گل شیر شاہ دے پڑھن واسطے نقل کیتا اے جیہدے پُتر اگوں سید محمد وارث (وارث شاہ) تے قاسم شاہ نیں۔ (10)

ایسے طرح مثنوی دے پنجویں دفتر دے آخر وچ اوہناں نے اپنے قادری سروری ہون دی دس اے:

الحمد للہ کہ دفتر پنجم مثنوی ہم باتمام رسید روز چہار شنبہ در ماہ صفر 1122 ہجری مقدس مقدس بہ دستخط فقیر احقر الخلق مشتاق لقائے اہل اللہ سید گل محمد قادری سروری عفی عنہ وعن آبائیہ برائے مطالعہ خویش و مطالعہ برائے فرزند محبوب القلوب برخوردار سید گل شیر سلام اللہ تعالیٰ۔

یعنی مثنوی دا پنجواں دفتر میں سید گل محمد قادری سروری نے اپنے تے اپنے پتر گل شیر دے پڑھن لئی مکمل کیتا اے۔ (11)

وارث شاہ نے اعلیٰ تعلیم لئی قصور دا رُخ کرن توں پہلوں مُڈھلی تعلیم اپنے گھروں ای حاصل کیتی۔ جدوں کہ قصور دی درسگاہ توں فارغ ہو کے اوہ تصوف دی دولت نال مالا مال ہون لئی بابا فرید گنج شکرؒ دے دوارے تے گیا تے اوہناں دے اوس ویلے دے گدی نشین دے ہتھ اُتے بیعت کیتی۔ ایس توں صاف پتا چلدا اے کہ وارث شاہ نوں تصوف دے دو عظیم سلسلیاں (قادری تے چشتی) توں فیضیاب ہون دا موقع ملیا اے۔ دوجی اہم گل ایہہ اے کہ اوہنے ہیر دے قصے وچ جنے صوفی سنتاں تے اللہ والیاں دے عرساں تے میلیاں دا ذکر کیتا اے اوہدے توں اوہدے مشاہدے تے مطالعے دی وی دس پیندی اے۔ مختلف سلسلیاں نال تعلق رکھن والے بزرگاں دے طریقیاں توں وی اوس بوہت کجھ سکھیا۔ انج وارث شاہ دی شاعرانہ شخصیت دے اندر اک صوفی وی پروان چڑھدا رہیا، جیہڑا موقع پا کے ہیر دے قصے راہیں ساڈے سامنے آن کھلوتا اے۔ ایہہ اوہ صوفی اے جیہڑا علم تے عمل دی سانجھی تصویر اے۔ جیہدے علم وچ رندی تے مستی وی گجھی ہوئی اے۔ جیہڑا علم تے عمل راہیں ریاضتاں تے مشاہدیاں توں لنگھدا ہویا مشکل توں مشکل مسئلیاں دے الجھاؤ نوں سلجھاؤ وچ بدلن دا ہنر جاندا اے۔ اوہ ہر گل نوں منطقی دلیلاں راہیں منوان تے سمجھان دا گُر وی رکھدا اے تے اوہدی زبان و بیان دی تاثیر وچ شہد جیہی مٹھاس وی اے۔ اوہ ایس رنگا رنگ

کائنات دے ہر رنگ وچوں رب سچے دا روپ سیہاندا اے۔ بقول اکبر لاہوری جیویں پتے دی ہریالی نوں پتے توں وکھ کر کے نہیں ویکھیا جاسکدا یا لفظ نوں سیاہی توں وکھ کر کے نہیں تکیا جاسکدا۔ ایسے طرح صوفی کائنات دے روپ نوں رب سوہنے دے روپ توں وکھریاں کر کے ویکھن دا عادی نہیں ہوندا۔ (12) اوہ وجودوں ظاہری باطنی میل دور کر کے پاکیزگی دا سمبل بن جاندا اے۔ اوہدا دل خواہشاں دا بُت خانہ نہیں سگوں خدا دا گھر ہوندا اے۔ اوہ مرشد دی تعلیم تے تعظیم نوں اپنی حیاتی دا گہنا سمجھدا اے۔ رب دی محبت وچ وَیری نوں وِیر بناندا اے تے بے نیازی دی کیفیت وچ انج سرشار رہندا اے کہ رب یا تقدیر دے گلے دا شائبہ تک اوہدے نیڑے نہیں پھٹکدا۔ ایہہ سارا کجھ خوبیاں دی صورت وچ اک صوفی دی شخصیت دا لازمی حصہ بن جاندا اے۔

تصوف دی دنیا وچ اک صوفی نوں عام طور تے جیہڑے مسئلیاں نال واہ پیندا اے ایہہ ایہہ نیں۔

توبہ راہیں باطن دی صفائی، دنیا دی ناپائیداری دی حقیقت دا ادراک، آخرت دی حیاتی دی کامیابی لئی ایسے دنیا وچ رہ کے جتن کرن دی لوڑ، مرشد دی ضرورت، اعلیٰ اخلاق تے اخلاص، عشق دی مستی۔ ایہناں تمام مسئلیاں وچوں کامیابی نال گزرن توں بعد عرفان دی جیہڑی منزل ملدی اے اوہنوں صوفیاء نے وحدۃ الوجود دی منزل قرار دتا اے۔ وارث شاہ نے بھانویں ایہناں مسئلیاں اُتے وی روشنی پائی اے پر اپنی شاعری وچ اوہنے تصوف دے جیہڑے سب توں اہم مسئلے نوں چشتی تے قادری بزرگاں دی طرح پوری تفصیل نال انگ لایا اوہ فلسفہ وحدۃ الوجود اے۔ بعض لکھاریاں نے ایس غلط فہمی نوں جنم دتا اے کہ فلسفہ وحدۃ الوجود شیخ محی الدین ابن عربیؒ دی دین اے حالانکہ ایہہ فلسفہ یا نظریہ اوہناں توں پہلے تے ہمعصر صوفیاء کول وی موجود رہیا۔ مثال دے طور تے حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ، ابن عربیؒ دے ہمعصر نیں۔ دونویں وکھو وکھ خطیاں نال تعلق رکھدے نیں۔ اوس زمانے وچ آوا جائی دے وی کوئی خاص ذرائع نہیں سن۔ ایس لئی اک دوجے کولوں متاثر ہونا وی ثابت نہیں ہوندا۔ جدوں کہ بابا فریدؒ دی شاعری وچ وحدۃ الوجودی فلسفہ موجود ہے، جیویں ایہہ شلوک:

فریدا جنگل جنگل کیا بھوئیں ون کنڈا موڑیں
وسی رب ہیا لیئے جنگل کیا ڈھونڈیں (13)

یا

فریدا خالق خلق مانہہ خلق وسے رب مانہہ
منداکس نوں آکھیے جاں تس بن کوئی نانہہ (14)

ظاہر اے ایہہ وجودی فلسفہ بابا فریدؒ نوں اپنے سلسلہ چشتیہ دے بزرگاں ولوں عطا ہویا اے۔ ہاں ایناں ضرور اے کہ ابن عربیؒ نے جس من کھچویں انداز وچ ایس نوں اگے ودھایا اے اوہدے توں فارس تے برصغیر دے صوفیاء ہُن تک متاثر وکھالی دیندے نیں۔ ایران افغانستان تے ہندوستان دے اکثر صوفیاء کائنات دے مشاہدے تے مطالعے لئی دور دراز دے سفر کردے رہندے سن ایس لئی بعض ویلے صوفیاء دے میل ملاقات اک دو جے نال وچار وٹاندرے دا سبب وی بن دے سن۔ تصوف دی تاریخ دا مطالعہ ایس گل دی دس پاندا اے کہ ایہناں سارے صوفیاں دے وچکار وحدۃ الوجود اک مرغوب فلسفہ رہیا اے جیہنوں اوہناں اک تحریک دی صورت اگے ودھایا۔ سرتاج الاولیاء حضرت داتا گنج بخشؒ وحدۃ الوجود دی حقیقت دے ضمن وچ فرماندے نیں:

''اس (انسان) کا جنم ظاہری دراصل اسرار خداوندی کا خزینہ بن جاتا ہے اور اس کے الفاظ اور افعال خدا ہی سے منسوب ہوتے ہیں۔'' (15)

حضرت جنید بغدادیؒ کہندے نیں:

''جب دوری کا احساس مِٹ جاتا ہے اور قرب حاصل ہو جاتا ہے تو صوفی پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ میری صفات دراصل خدا ہی کی صفات ہیں۔'' (16)

پیران پیر حضرت غوث الاعظمؒ دا ارشاد اے:

''اے دوست جب تو ستر ہزار اچھے اور بُرے خصائل سے باہر نکل پڑے اور جب اجالے اندھیرے کے ستر خدائی پردوں سے بالاتر ہو جائے اور جب تجھ میں خُلقِ خداوندی پیدا ہو جائے تو اس کیفیت میں تجھ سے عبودیت دور ہو

جائے گا.....اس وقت تُو تُو نہ ہوگا بلکہ وہ ہوگا۔ کیونکہ خدا کے ساتھ غیر خدا نہیں رہتا۔''(17)

ابن عربیؒ دے نزدیک ''نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَـیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد'' دا مطلب اس توں علاوہ ہور کجھ نہیں کہ خدا خود بندے دے وجود دا حصہ بن سکدا اے۔ ایہو فرمان قرآن وچ موجود اے کہ میں اپنے نیک بندیاں دے ہتھ، پیر، کن، اکھ بن جانا۔ وارث شاہ نے ایسے حقیقت نوں انج بیان کیتا اے:

سُن سیتیئے ایس جہان اُتے رب کئی پسار پساردا ای
قدرت نال خواہش خاص اپنی دے رنگ رنگ دیاں صورتاں دھاردا ای

حدیث اے:

خَلَقَ اللّٰه آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ

یعنی آدم نوں اللہ نے اپنی صورت اُتے پیدا کیتا اے۔

ابن عربیؒ دے نزدیک صورت توں مراد ربی صفات نیں جیہناں وچ انسان دا ظہور ہویا۔ یعنی ربیّ صفات مجسم ہو کے انسان وچ موجود نیں۔ ایسے واسطے اکثر صوفیاء مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَـقَدْ عَرَفَ رَبَّـــهٗ اُتے یقین رکھدے نیں۔

تصوف دی دنیا وچ وحدۃ الوجود تے وحدۃ الشہود دو اصطلاحواں نہیں سگوں دو وکھو وکھ نظریے نیں جیہڑے اپنی اپنی تھاں بھرویاں فکری دلیلاں تے سہاریاں اُتے اُسرے ہوئے وکھالی دیندے نیں۔ پنجابی صوفیانہ شاعری دا مطالعہ ایس حقیقت دی دس پاندا اے کہ ساڈے بوہتے صوفی شاعر تصوف دے اوہناں سلسلیاں نال وابستہ رہے نیں جیہڑے وحدۃ الوجودی پہچان تے سیہان دے سلسلے سن۔ ایہناں وچ زیادہ تر قادری چشتی تے سہروری بزرگ شامل نیں۔ جدوں کہ نقشبندی سلسلے وچ حضرت مجدد الف ثانیؒ توں وحدۃ الشہود دے فلسفے دا چلن ہویا، پر اوہناں نے وی وحدۃ الوجود دی نفی نہیں کیتی بلکہ ایس نوں وحدۃ الشہود دے نچلے درجے اُتے اک صوفیانہ مقام ظاہر کیتا اے۔ اوہ خود وحدۃ الوجود دی منزل دی تلاش وچ رہے سن۔ چنانچہ اوہناں نے مشہور وجودی صوفی شیخ محی الدین ابن عربیؒ دا ذکر اکثر تھاواں تے بڑے احترام نال کیتا اے۔

مولانا رومؒ، سعدیؒ، حافظ شیرازیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، بابا فریدؒ، شاہ حسینؒ، حضرت نوشہ گنج بخشؒ، حضرت سلطان باہوؒ تے بابا بلھے شاہؒ توں لیکے پیر مہر علی شاہؒ تک سارے دے سارے وحدۃ الوجود دے قائل رہے حتیٰ کہ معروف بزرگ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ تے مولانا اشرف علی تھانویؒ تک نے ایس نوں منیا اے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماندے نیں:

''سالک کو اپنے افعال وصفات اور وجود کو جناب باری کے صفات افعال اور وجود سمجھنا چاہیے۔ تمام افعال خدا ہی سے ہونگے اور تمام چیزوں میں خدا ہی کے وجود کو پائے گا۔''(18)

مولانا اشرف علی تھانویؒ دا کہنا اے:

''مسئلہ (وحدۃ الوجود) حق وصحیح مطابق اللواقع ہے اس مسئلے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ (19)

پنجابی صوفیانہ شاعری دا مطالعہ ایس حقیقت دی گواہی دیندا اے کہ پنجابی صوفی شاعر تسلسل نال وحدۃ الوجودی سوچ نوں اگے ودھاندے رہے نیں جیویں:

بابا فریدؒ:

فریدا خالق خلق مانہہ خلق وسے رب مانہہ
مندا کس نوں آکھیں جاں تس بن کوئی نانہہ (20)

شاہ حسینؒ:

اندر توں ہیں باہر توں ہیں روم روم وچ توں
توں ہی تانا توں ہی بانا سب کجھ میرا توں
کہے حسین فقیر سائیں دا میں ناہیں سب توں (21)

حضرت سلطان باہوؒ:

عینوں عین تھیوسے باہُو سر وحدت سبحانی ہُو (22)

بلھے شاہؒ:

بُلھیا چل سنیار دے جتھے گہنے گھڑیئے لاکھ
صورت آپو اپنی توں اکو روپا آکھ (23)

نوشہ گنج بخشؒ:

نوشہ خالق ہک ہے دویا ناہیں کوئے
فرق خالق تے خلق وچ توں کہہ کیکر ہوئے (24)

یا

آپے ڈٹھا آپ وکھایا
نوشہ آپ نوں آپ بھرمایا (25)

میاں محمد بخشؒ:

قطرہ ونج پیا دریائے تاں اوہ کون کہاوے
جس تے اپنا آپ گواوے آپ اوہو ہو جاوے
ہر ہر وچ نہ ہوون جیکر ہردے روپ سہانے
دانشمنداں دا دل ٹھگن کد معشوق ایانے

وارث شاہؒ وی ایسے لڑی نال جڑیا ہویا شاعر اے۔ بنیادی طور تے اوہ بھانویں داستان گو شاعر دے طور تے ای مشہور ہویا پر اوہدی ہیر جے محض قصہ ای ہوندی تے قصہ وی ہن تک مر گیا ہوندا تے وارث دی اینی مشہوری وی نہ ہوندی۔ وارث شاہ نے ایس پیار کہانی نوں تصوف دی چاشنی نال امر کیتا اے۔ مجاز دے پردے وچ حقیقت دی کھیڈ رچائی اے۔ اوہنے اخیر وچ ایہہ گل کھول وی دتی اے کہ:

وارث شاہ میاں لوکاں کملیاں نوں قصہ جوڑ ہوشیار سنایا ای (26)

وارث شاہؒ دی گھروں باہروں تربیت اوس صوفیانہ ماحول وچ ہوئی سی جیہڑا علم نوں حِلم وچ ڈھال کے صوفیانہ کر دیندا اے۔ ایہو کم اوہنے ہیر دے قصے وچ کر وکھایا اے۔ جیویں صوفیاء دا عقیدہ اے کہ گھر دے کوٹھے کندھاں (یعنی جسم) نہیں بولدے سگوں گھر وچ وسن والا (محبوب حقیقی) بولدا اے۔ ایسے طرح کردار رانجھے دا ہووے یا ہیر دا، سہتی دا ہووے یا جوگی دا، اوہدے وچ وارث شاہ آپ بولدا اے۔ اوہنے مجاز دے پردے وچ حقیقت دی گل چھوہی اے تے بڑے منطقی تے استدالی ڈھنگ نال۔ ایسے لئی اوہدی گل ہر پڑھن سُنن والے نوں متاثر کر دی اے۔

ساڈے صوفیاء دا ایہہ اک نظریہ اے کہ اللہ تعالیٰ نے کُن کہہ کے کائنات بنائی تے اوس نے کُن دا لفظ کسے غیر یا قدامت وچ موجود کسے ہور شے نوں نہیں آکھیا سی۔ کیوں جے ایہہ من لیا جائے کہ مخاطب کوئی شے سامنے موجود سی تے فیر ایہہ تسلیم کرنا پوے گا کہ قدامت وچ اللہ توں علاوہ کوئی ہور وجود وی سی تے ایہو دوئی یا شرک اے کہ اللہ دے نال کسے ہور شے دی موجودگی دا اقرار کیتا جائے۔ صوفیاء دے نزدیک کُن کسے غیر نوں نہیں، اللہ نے اپنے اوس ارادے نوں کُن آکھیا جیہڑا ارادہ اوس اپنے اظہار واسطے کائنات بنان لئی فرمایا سی۔ گویا اللہ نے اپنا اظہار آپ چاہیا کہ میں پچھانیا جاواں تے اوس کائنات وجود وچ لے آندی۔ اپنے آپ نوں چاہن دا ایہہ عمل ای اصل وچ اللہ دا اپنے آپ نال عشق سی جیہڑا کائنات دی صورت ظاہر ہویا۔ ایہو وجہ اے کہ دنیا وچ عشق دیاں گلکاریاں ہر ویلے موجود رہندیاں نیں۔ وارث شاہ نے ایسے صوفیانہ فکر نوں ای اپنے قصے دی بنیاد بنایا اے تے گل ای ایتھوں شروع کیتی اے کہ:

اول حمد خدائیدا ورد کیجے عشق کیتا سُو جگ دا مول میاں

اگلے تن مصرعیاں وچ ایس عشق پیارے دیاں منزلاں مرتبے تے انعامات دا ذکر کیتا اے:

پہلے آپ ہی رب نے عشق کیتا معشوق ہے نبی رسولؐ میاں
عشق پیر فقیر دا مرتبہ ہے مرد عشق دا بھلا رنجول میاں
کھِلے تنہاں دے باغ قلوب اندر جیہناں کیتا ہے عشق قبول میاں (27)

صوفی پنتھ دے سفر دا آغاز توبہ توں ہوندا اے جدوں اک سالک نوں اپنے اندر دی کالک نوں دھو کے من نوں شیشہ کرن دا خیال پیدا ہوندا اے۔ اک عام دنیادار تے اللہ والے دے وچکار فرق صرف اینا کو رہ جاندا اے کہ عام دنیادار توبہ دا دروازہ حادثاتی طور تے کھڑکاندا اے تے اوہدی ایہہ توبہ عارضی ثابت ہوندی اے۔ گناہواں دی لذّت اوہنوں بار بار توبہ توڑن اُتے مجبور کر جاندی اے۔ جدوں کہ اللہ والے دی توبہ اوہنوں گناہواں دی لذت توں بہت اگیرے لے جاندی اے۔ ایتھوں تیکر کہ اوہ ہر ویلے نفسِ مطمئنہ دی کیفیت ماندا اے۔ وارث شاہ نے وی اک صوفی دی طرح پکی توبہ اُتے زور دتا اے:

سورج چڑھے گا مغربوں جویں قیامت توبہ ترک کر کل برائیاں نی (28)

تصوف دا دوجا اہم مسئلہ دنیا دی بے ثباتی نوں سمجھنا اے۔ عام بندے لئی ایہہ تصوّر ممکن اے صرف اعتقادی ہووے، جدوں کہ صوفی لئی ایہہ حقیقت واردالوجود بن جاندی اے۔ جیویں حضرت داتا گنج بخشؒ دے پیرومرشد حضرت شیخ ابوالفضل الختلیؒ فرماندے نیں کہ ساڈے نزدیک دنیا دی حیاتی اک دن دی اے تے ایہدے وچ وی ساڈا روزہ اے۔ سید وارث شاہ نے دنیا دے عارضی تے بے ثبات ہون دا ذکر ہیر وچ جگہ جگہ کیتا اے، جیویں:

ایہہ جگ مقام فناہ دا اے سبھا ریت دی کندھ ایہہ جیونا اے
چھاں بدلاں دی عمر بندیاں دی عزرائیل نے پاڑنا سیونا اے
اج کل جہان ہے سہج میلا کسے نِت نہ حکم تے تھیونا اے
وارث شاہ میاں انت خاک ہونا لکھ آب حیات جے پیونا اے (29)

توبہ تے دنیا دی ثباتی دے عمل وچوں گزردیاں بے شمار وسوسیاں نال واہ پیندا اے۔ شیطانی قوتاں نفسانی خواہشاں دے روپ وچ قدم قدم تے بہکان دی کوشش کردیاں نیں۔ ایہناں توں مستقبل طور تے بچن لئی صوفیاء نے اک اجیہے مرشد یا رہنما دی ضرورت اُتے زور دتا اے جیہنے تصوف دیاں مشکل گھاٹیاں آپ وی پار کیتیاں ہون تے اگوں دوجیاں نوں وی پار کروان دا طریقہ تے سلیقہ جاندا ہووے۔ تاں جے سالک نوں پورے اعتماد تے حفاظت نال سلامتی تے کامیابی دی منزل اُتے اپڑا دیوے۔ وارث شاہؒ نے وی ایس ضرورت نوں اجاگر کیتا اے:

بناں مرشداں راہ نہ ہتھ آوے ، دودھ باجھ نہ ہوندی ہے کھیر میاں

وارث شاہ نے صرف مرشد دی ضرورت اُتے ای زور نہیں دتا سگوں مرشد دی پہچان وی دسی اے کہ مرشد کیہو جیہا ہونا چاہیدا اے:

بادشاہ سچا رب عالماں دا فقر اوسدے ہین وزیر میاں
یاد حق دی صبر تسلیم نسچا تُساں جگ دے نال کیہ سیر میاں
فقر گُل جہان دا آسرا اے تابع فقر دے پیر تے میر میاں
دنیا وچ ہاں بہت حیران ہویا پیَروں ساڈیوں لا زنجیر میاں (30)

یعنی سچا مرشد یا فقیر رب دا منظور نظر (وزیر) حق دی یاد نال دلی تسلی حاصل کرن والا، دنیاداراں تے

ٹُٹے دلاں دا آسرا ہوندا اے۔ دنیا دے امیر کبیر اوہدی بارگاہ وچ اپنیاں دنیاوی پریشانیاں دور کرن تے سکون دی دولت لین آؤندے نیں۔

اک سالک دی نظر وچ مرشد دی کیہ قدر و منزلت ہونی چاہیدی اے تے اوہدے لئی اپنے شیخ یا گورو دی گل اُتے پورے صدق تے یقین نال کنج عمل کرنا ضروری اے۔ ایہدے لئی وارث شاہ دا مشورہ اے:

جوگ کرے سو مرن تھیں ہوئے استھر جوگ سکھیّے سِکھنا آیا ای
نسچا دھار کے گورو دی سیوا کریئے ایہہ ہی جوگیاں دا فرمایا ای(31)

مرشد اپنی نظر کرم نال دوئی دا بھرم دُور کر کے اوس ذات نال سالک نوں ملا دیندا اے جیہڑی انسان دی شہ رگ توں وی نیڑے وسدی اے پر انسان غفلت تے دوئی دے پردے ہتھوں ساری حیاتی اوس توں دُور تے اوہدی پچھان توں وانجھیا رہندا اے۔ وارث شاہ دے نزدیک عالم تنزیہہ وچ اوہ ذات اپنے اصلی روپ وچ وسدی اے تے عالم تشبیہہ وچ انسان اوہدا حقیقی مظہر اے۔ ایہو وحدۃ الوجود دا فلسفہ اے۔ کہ ہر تھاں ہر حال وچ اوہو اکو ذات موجود اے۔ اوہدا کوئی غیر نہیں تے نہ ای ہوسکدا اے تے جیہنوں انسان غیر سمجھدا اے ایہہ اوہدی اپنی سوچ فکر تے غفلت دا نتیجہ اے۔ مرشد دا کم ایہو اے کہ اوہ ایس سوچ فکر تے غفلت توں سالک نوں باہر لے آوے۔ رانجھا اک سالک تے طالب دے روپ وچ بالناتھ دے چرنیں لگا تے اوہنے اوس نوں وجود مطلق دی پہچان انج کروائی:

بچہ سیوں جس قلبوت اندر سچے رب نے تھاؤں بنایا ای
وارث شاہ میاں ہمہ اوست جاپے سرب مے بھگوان نوں پایا ای(32)

وارث شاہؒ نے ہمہ اوست یعنی وحدۃ الوجود جیہے مشکل مسئلے نوں سمجھان لئی ابن عربیؒ دی طرح منطقی تے من کھچواں ڈھنگ اختیار کیتا اے۔ جیویں:

مالا منکیاں وچ جیوں اک دھاگا تویں سرب کے بیچ سما رہیا
سبھناں جیوندیاں وچ ہے جان وانگوں نشہ بھنگ افیم وچ آ رہیا

جیویں پترے مہندیوں رنگ رچیا تویں جان جہان وچ آ رہیا
جیویں رکت سریر وچ سانس اندر تویں جوت میں جوت سما رہیا(33)

وحدت دی ایس منزل وچ پیر رکھدیاں ہویاں باطنی حوالیوں کئی خطرے سالک دا راہ ڈک کھلوندے نیں۔ شیطانی وسوسیاں دی یلغار دا مقابلہ تے آس نراس دی جنگ سالک دا سب توں اوکھا امتحان ہوندا اے۔ وارث شاہ پورے یقین تے اعتماد نال کامیابی دی منزل اُتے اپڑن دا حوصلہ دیندا اے:

جیہڑے عشق دی اگ دے تاؤ تتے تہاں دوزخاں نال کیہ واسطائے
جھناں اک دے ناں تے صدق بدھا اوہناں فکر اندیشڑا کاسدائے
آخر صدق یقین تے کم پوسی موت چرغ ایہہ پُتلا ماسدائے
دوزخ موریاں ملن بے صدق جھوٹھے جھاں بان تکن آس پاسدائے(34)

حقیقت دے ادراک توں بعد سالک نوں جبر تے قدر دیاں منزلاں صبر نال عبور کرنیاں پیندیاں نیں۔ عاجزی انکساری تے مخلوق دی بے لوث خدمت وچ قوتِ برداشت دا کمال درجے مظاہرہ کرنا پیندا اے کیوں جے اوہدے سامنے بقول بابا فرید گنج شکرؒ ایہہ حقیقت ہر ویلے موجود رہندی اے ''مندا کس نوں آکھیئے جاں تس بن کوئی نانہہ''۔ وارث شاہ نے ایسے منزل ول اشارہ کردیاں ہویاں آکھیا اے:

گھوڑا صبر دا ذکر دی واگ دے کے نفس مارنا کم بھوچنگیاں دا
چھڈ زراں تے حکم فقیر ہوون ایہو کم ہے ماہنواں چنگیاں دا
عشق کرن تے تیغ دی دھار کپن نہیں کم ایہہ بھکھیاں ننگیاں دا
جیہڑے مرن سو فقر تھیں ہون واقف نہیں کم ایہہ مرن تھیں سنگیاں دا
ایتھے تھاؤں نہیں اڑبنگیاں دا فقر کم ہے سراں توں لنگھیاں دا (35)

دوجے مذہباں دے گورووں دی طرح مسلمان صوفیاں دے بعض سلسلیاں وچ نفس کشی تے غرور تکبر نوں ختم کرن لئی سالک کولوں نگری نگری بھیک منگوان دا رواج رہیا اے۔ بعض جگہ اج وی ایہہ رواج موجود اے پر جدوں سالک نوں کاسہ پھڑایا جاندا اے تے اوسنوں بقول وارث

شاہ ایہہ نصیحت وی کیتی جاندی اے:

شوق مہر تے صدق یقین باجھوں کیا فائدہ ٹکڑیاں منگیاں دا(36)

o

ایس جوگ دے پنتھ وچ آوڑیاں چھپن عیب ثواب کمینیاں دے
حرص اگ تے فقر دا پوے پانی جوگ ٹھنڈ گھتے وچ سینیاں دے (37)

کہندے نیں منگن گیا سو مر گیا تے جیہڑا ایس امتحان وچ کامیاب ہو جاوے اوہ صبغتہ اللہ دے رنگ وچ رنگیا جاندا اے:

وارث شاہ جو عشق دے رنگ رتّے کُندی آپ ہے رنگ دے رنگیاں دا(38)

صوفی یا فقیر لوکائی دی نظر وچ اللہ دا اک مقبول تے مقرب بندہ ہوندا اے۔ بے شمار لوک اوہدے کول اپنے اپنے دُکھڑے لے کے آوندے نیں۔ لوکائی ایس عقیدے تے اوہدے کول جاندی اے کہ اوہ دُکھاں نوں سکھاں وچ بدل سکدا اے۔ ایجیہے موقعے اُتے اوہ ہر کسے نوں ایہو تعلیم دیوے گا کہ:

ایہہ حُکم تے حُسن نہ نت ہوندے نال عاجزاں کرو نہ زوریئے جی
کوئی کم غریب دا کرے ضائع سگوں اوسنوں ہٹکیئے ہوڑیئے جی
بیڑا لدیا ہویا مسافراں دا پار لائیے وچ نہ بوڑیئے جی
زمیں نال نہ ماریئے پھیر آپے ہتھیں جہناں نوں چاڑھیے گھوڑیئے جی
بھلا کردیاں ڈِھل نہ مول کیجے قصہ طول دراز نہ ٹوریئے جی (39)

o

جیہڑا آس کرکے ڈگے آن دوارے جیو اوسدا چاء نہ توڑیئے جی
صدق بنھ کے جیہڑا چرن لگے پار لائیے وچ نہ بوڑیئے جی
وارث شاہ میاں جیندا کوئی نہیں مہر اوستوں نہ وچھوڑیئے جی(40)

ایس مقام اُتے صوفی دی ایہہ اخلاقی ذمے داری اے کہ اوہ آوَن والے لوکاں دے دُکھاں اُتے پھاہے رکھن دے نال نال اوہناں دے راز اپنے سینے وچ ای دفن رکھے تے اللہ دی صفتِ ستّاری

نوں مُکھ رکھ کے لوکاں دے عیباں دی پردہ پوشی کرے۔ ایہہ فقیر دی اخلاقیات وچ شامل اے۔ اک فقیر دی ایہو پہچان اوہنوں مخلوق دی نظر وچ ہر دلعزیز تے محترم بناندی اے۔ بقول وارث شاہ:

بھیت دساں مردا کم ناہیں مرد سوئی جو ویکھ دم گھُٹ جائے
گل جی دے وچ ہی رہے خفیہ گاؤں وانگ پیخال نہ سُٹ جائے
بھیت کسے دا دسنا بھلا نہیں بھانویں پُچھ کے لوک نکھٹ جائے
وارث شاہ نہ بھیت صندوق کھُلے بھاویں جان دا جندرا ٹُٹ جائے (41)

ایہہ گل وی فقیر دے بنیادی اخلاق وچ شامل اے کہ اوہ اپنی نفسانی خواہشاں دی دھون اُتے گوڈا رکھ کے اپنے نفس نوں لگام دتی رکھے۔ ہر نکّی وڈی نوں ماں بھین یا دھی دا درجہ دیوے تے کسے دے بارے وی اکھ وچ میل نہ آن دیوے۔ بالناتھ دی زبانی رانجھے جوگی نوں وارث شاہ نے ایہو نصیحتاں کیتیاں نیں:

کہے ناتھ رنجھٹیا سمجھ بھائی سر چاہیو جوگ بھروڑی نوں
وڈی ماں برابر ہی جانئی ہے اتے بھین برابر چھوڑی نوں
جتی ستی نمانیاں ہو رہیے رکھیں ثابت ایس لنگوڑی نوں
وارث شاہ میاں لیکے چھری کائی وڈھ دُور کریں ایس بوڑی نوں (42)

یا

وڈی ماں ہی جان کے کرو نسچا چھوٹی بھین مثال کر پائیے جی
وارث شاہ یقین دی گل پھبدی سبھو حق ہی حق ٹھہرائیے جی (43)

اک عام دنیادار لئی ایہناں نصیحتاں اُتے عمل کرنا لوہے دے چنے چبان والی گل اے پر سچا فقیر ایہہ سارا کجھ کر گزردا اے۔ کیوں جے اوہدے سامنے حیاتی دا اک واضح مقصد ہوندا اے۔ ایس لئی اوہ اپنے گورو دیاں نصیحتاں دی نکیل ہر ویلے قائم رکھدا اے۔ بقول وارث شاہ:

جوگ جالنا سار دا نگلنا ئیں ایس جوگ وچ بہت زہیریاں نی
جوگی نال نصیحتاں جاندا اے جویں اُٹھ دے نک نکیریاں نی(44)

صوفی پنتھ وچ ہر صوفی ، سالک یا جوگی نوں اپنے اپنے طریقے مطابق چلہ کشی تے سخت ریاضتاں وچوں گزرنا پینداا ے تاں جے تذکیہ نفس ہوندا رہوے۔ مشکل ترین ریاضتاں وچ نفس دی خواہشات دے مقابل ثابت قدم رہن لئی ''تصوّرِ شیخ'' (تاڑی لانا) خاص اہمیت رکھدا اے۔ وارث شاہ ایس پورے تے مسلسل عمل نوں واضح کرن لئی ''تاڑی لان'' دی اصطلاح ورتدیاں انج بیان کردا اے:

ایس جوگ دے واعدے بہت اوکھے ناد الکھ تے سن وجاونا وو
جوگی جنگم گودڑی جٹا دھاری مُنڈی نِرملا بھیکھ وٹاونا وو
''تاڑی لا کے ناتھ دا دھیان دھرنا'' دسویں دوار ہی سانس چڑھاونا وو
جے آئے دا ہرکھ تے سوگ چھڈے نہیں مویاں گئیاں پچھوتاونا وو
دھو دھائیکے جٹاں نوں دھوپ دینا سدا انگ بھبھوت رماونا وو
اُدیان باشی جتی ستی جوگی جھات اِستری تے نہیں پاونا وو
لکھ خوبصورت پری حُور ہووے ذرہ جیو نہیں بھرماونا وو
کام کرود تے لوبھ ہنکار مارن جوگی خاک در خاک ہو جاونا وو
ناؤں فقر دا بہت آسان لینا کھرا کٹھن ہے جوگ کماونا وو(45)

ایتھے اپڑ کے اک صوفی دا پینڈا ہور اوکھا ہو جاندا اے جدوں اوہدے اُتے ایہہ حالت طاری ہوندی اے کہ صوفی اپنی ذات وچ اک زندہ لاش ہوندا اے جیہڑا زندہ ہو کے وی ''شہرِ خاموشاں'' دے واسی دی طرح رہندا اے۔ زندگی دیاں شیرینیاں اوہدے لئی کوڑے بکبکے سواد وچ بدل کے رہ جاندیاں نیں تے اوہ محسوس کردا اے کہ:

کوڑا بکبکا سواد ہے جوگ سندا جیہی گھوٹ کے پیونی نم میاں
جہاں سُن سمادھ کی منڈی ہے اتے جوناں ہے رَم جھم میاں

تہاں بھسم لگائیکے بھسم ہونا پیش جاء نہیں گرب ڈِھم میاں (46)

صوفی مت دی روشنی اودوں تک قائم رہندی اے جدوں تک من شیشے ہار رہوے۔ اوہدے اُتے کوئی داغ یا دھبہ نہ لگے، خاص طور تے ایہناں ست بُریاں خصلتاں دا:

غیبت کرن بگانڑی طاعت اوگن ستّے آدمی ایہہ گنہ گار ہوندے
چور، کُرت گھِن، چغل تے جھوٹھ بولے، لوتی لاوڑا، ستواں یار، ہوندے (47)

اک کامل صوفی ایہناں گلاں نوں ہر ویلے سامنے رکھدا اے۔

ایس بحث دا نچوڑ ایہہ اے کہ تصوف نوں اختیار کر لینا بے شک اک نیک عمل اے پر صوفی پنتھ وچ آ کے جیہڑ یاں ذمے داریاں اک صوفی یا سالک اُتے آ جاندیاں نیں اوہناں دی پاسداری بڑی ضروری اے۔ وارث شاہ نے بطور صوفی جتھے آپ وحدۃ الوجودی سوچ نوں پروان چڑھایا اے اوتھے صوفی نوں اوسدیاں اخلاق تے سماجی ذمہ داریاں دا راہ وی وکھایا اے تے ایہہ سارا کجھ اوہ ایس لئی کامیابی نال بیان کر گیا اے کہ اوہ ایس سمندر دا آپوں بڑا اوڈا تاروسی۔ ایہدا اک ثبوت ایہہ وی اے کہ اوہ بڑی ہوشیاری نال مجاز دے پردے وچ حقیقت دی گل سنائی گیا اے تے اخیر اُتے اوہنے ایہہ گل کھول کے لوکاں نوں چونکا کے رکھ دتا اے:

ایہ روح قلبوت دا ذکر سارا نال عقل دے میل ملایا ای
وارث شاہ میاں لوکاں کملیاں نوں قصہ جوڑ ہشیار سنایا ای (48)

وارث شاہؒ نوں شدت نال ایس گل دا احساس سی کہ اوہنے ایہہ قصہ مجلساں وچ بہہ کے سنن والیاں لئی لکھیا اے۔ ایس لئی اوہنے ہر خاص عام لئی اپنے صوفیانہ وچاراں نوں آخر وچ تشریح و تصریح نال انج بیان کر دتا اے:

ہیر رُوح تے چاک قلبوت جانوں، بال ناتھ ایہ پیر بنایائی
پنج پیر حواس ایہ پنج تیرے، جنھاں تھاپناں تُدھ نوں لایائی

قاضی حق چھبیل نے عمل تیرے ، عیال منکر نکیر ٹھیرایائی
کوٹھا گور عزرائیل ہے ایہ کھیڑا جیہڑ الیند وہی روح نوں ڈھایائی
کیدو لنگا شیطان ملعون جانو ، جس نے وچ دیوان پھڑایائی
سیّاں ہیر دیاں رن گھر بار تیرا ، جنھاں نال پیوند بنایائی
وانگ ہیر دے بنھ لے جاہن تینوں کسے نال نہ ساتھ لدایائی
جیہڑا بول دا ناطقہ وٹجھلی ہے ، جس ہوش دا راگ سنایائی
سہتی موت تے جسم ہے یار رانجھا انھاں دوہاں نے پھیڑ مچایائی
جوگ عورت ہے کن پاڑ جس نے سبھ انگ بھبُوت رمایائی
دنیا جان اینویں جویں جھنگ پیکے گور کالڑا باغ بنایائی
ترنجن ایہ بدعملیاں تیریاں نے کڈھ قبر تھیں دوزخ پایائی
اوہ مسیت ہے مانوں داشکم بندے جس وچ شب روز لنگھایائی
عدلی راجہ ایہ نیک نے عمل تیرے جس ہیر ایمان دوایائی
وارث شاہ میاں بیڑے پار تیرے کلمہ پاک زبان تے آیائی (49)

☆☆☆☆

حوالے

1- ماهنامه پنجابی ادب، لاهور، خصوصی شماره شاه حسین نمبر ، ص 15

2- ایضاً

3- لاجونتی رام کرشنا: پنجابی دے صوفی شاعر؛ مجلس شاہ حسین لاہور، ص6

4- خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت؛ ندوۃ المصنفین دہلی، 1953ء ص34

5- القرآن۔سورہ یونس۔62:10

6- القرآن۔سورہ بقرہ۔153:2

7- القرآن۔سورہ توبہ۔119:9

8- علی ہجویری داتا گنج بخش: کشف المحجوب اردو ترجمہ ایف ڈی گوہر لاہور، 1972ء ص30

9- وارث شاہ: ہیر؛ مرتبہ عبدالعزیز بار ایٹ لا، پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور، 1964ء بند نمبر3

10- عصمت اللہ زاہد ڈاکٹر: مقالہ وارث شاہ داجنم ورھا: مجلّہ کھوج شمارہ نمبر32، شعبہ پنجابی پنجاب یونیورسٹی لاہور، جون 1994ء ص92

11- ایضاً

12- ماہنامہ پنج دریا۔وارث نمبر، ص84

13- بابا فرید: آکھیا بابا فرید نے؛ مرتبہ آصف خاں، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور، ص162

14- ایضاً ص220

15- کشف المحجوب اردو ترجمہ، ص28

16- یوسف سلیم چشتی: تاریخ تصوف؛ علما اکیڈمی لاہور، 1976ء ص223

17- عبدالقادر جیلانی شیخ: رسالہ غوثِ اعظم؛ اردو ترجمہ مولوی احمد حسین، لاہور 1978ء ص 10, 9

18- امداد اللہ حاجی: ضیاء القلوب؛ کتب خانہ عزیزیہ دیوبند، س ن، ص 26

19- اشرف علی تھانوی مولانا: امداد المشتاق؛ مکتبہ اسلامیہ لاہور، ص 41

20- آکھیا بابا فرید نے، ص 220

21- شاہ حسین: کافیاں شاہ حسین؛ مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد، پیکجز لمیٹڈ لاہور، ص 21

22- سلطان باہو: ابیات باہو؛ مرتبہ سلطان الطاف علی، ص 69

23- بلھے شاہ: کلام بلھے شاہ؛ مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد، پیکجز لمیٹڈ لاہور، ص 62

24- نوشہ گنج بخش: گنج شریف؛ مرتبہ شرافت نوشاہی، ص 456

25- ایضاً ص 452

26- وارث شاہ: ہیر؛ بند نمبر 624

27- ایضاً بند نمبر 1

28- ایضاً بند نمبر 185

29- ایضاً بند نمبر 257

30- ایضاً بند نمبر 255

31- ایضاً بند نمبر 267

32- ایضاً بند نمبر 267

33- ایضاً بند نمبر 268

34- ایضاً بند نمبر 213

35- ایضاً بند نمبر 266

36- ایضاً بند نمبر 267

-37 ایضاً بندنمبر263

-38 ایضاً بندنمبر267

-39 ایضاً بندنمبر272

-40 ایضاً بندنمبر265

-41 ایضاً بندنمبر299

-42 ایضاً بندنمبر279

-43 ایضاً بندنمبر277

-44 ایضاً بندنمبر283

-45 ایضاً بندنمبر264

-46 ایضاً بندنمبر262

-47 ایضاً بندنمبر270

-48 ایضاً بندنمبر625

-49 ایضاً بندنمبر631

❁.....❁.....❁

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 36, Sr.No.98, 2015, pp 113 - 122

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۶، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۵ء، شمارہ ۹۸

پنجابی نثر دی ٹور تے مستقبل

ڈاکٹر ارشد اقبال ارشدؔ☆

Abstract:

In this article, Dr. Arshad Iqbal Arshad has described about the evolution of Punjabi Prose from its initial stages to the present form by talking about its different forms in different eras and, thus, has highlighted the thousand year's history of punjabi prose. He has discussed the 3 forms of modern prose i.e. novel, short story, and travelogue. He has predicted the bright future of Punjabi prose on the basis of its day by day popularity and progression.

Key words: Modern Punjabi Literature, Punjabi Prose, Modern Trends, Analysis.

ایس وچ کوئی شک نہیں کہ دنیا دی ہر زبان دے ادب دا ڈھ شاعری توں بجھا تے نثری نین نقش بعد وچ اُگھڑے۔ شاعری جذبیاں دے اظہار دا ناں اے، جدوں جذبے شدت پھڑ دے نیں تاں لفظ اپنے آپ شعراں دا روپ دھار جاندے نیں۔ فیر شاعری جیتے رہ جان والی شے اے۔ جذبیاں دی ترجمان ہون پاروں ایہ انسان دے دل دماغ وچ رچ وس جاندی اے پر نثر سوچ سمجھ کے، غور فکر کر کے لکھی جاندی اے، نثری جملے یاد رکھنا وی اوکھا کم اے۔ ایسے پاروں دنیا دی ہر زبان وچ شاعری پہلاں وجود وچ آؤندی اے تے نثر بعد وچ۔ پنجابی تے وی ایہو فارمولا لاگو ہوندا اے پر ساڈے محققاں دی مہربانی نال پنجابی شاعری تے نثر تقریباً ہم عمر ہو گئیاں نیں۔ پنجابی شاعری دا مُڈھ ناتھ جوگیاں دے عہد توں بجھ دا اے۔ ڈاکٹر پرمندر سنگھ، کرپال سنگھ کیسل تے ڈاکٹر گوبند سنگھ

☆ اسسٹنٹ پروفیسر پنجابی، گورنمنٹ دیال سنگھ کالج، لاہور

لانبا نے اپنی سانجھی کتاب ''پنجابی ساہت دی اُوتپتی تے وکاس'' وچ پنجابی نثر دا کھرا نپد یاں ایہدا مڈھ ناتھ جوگیاں دے عہد نال جا جوڑیا اے۔ اوہناں گورکھ اُپنکھد دی نثر دا جیہڑا نمونہ درج کیتا اے، اوہدے وچوں کجھ جملے ویکھو:

''سری ناتھ پرمانند ہے۔ وِشو گرو ہے۔ نرنجن ہے۔ وِشو وِیاپک ہے۔ مہاں سِدھن دے لکشِیا ہے۔ تِن پرتی ہمارے اِدیش ہو۔''(1)

پنجابی نثر دے ایس مڈھلے نمونے وچوں بھاویں اج دی پنجابی دے اکھر زور لا کے ای لبھنے پیندے نیں پر ایس نمونے نال پنجابی نثر دا سفر دسویں صدی عیسویں تیک ضرور اپڑ جاندا اے۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ ایس عہد دا ذکر کردیاں لکھدے نیں۔

''ایس عہد وچ نثر سانوں نہیں ملدی پر چورنگی ناتھ وغیرہ دیاں کجھ چیزاں جو اسیں ویکھیاں ہن۔ اوہ اِنو نثر ہی ہن تے اوہناں توں اندازہ ہندا ہے کہ نثر دسویں صدی وچ بن چکی سی۔ بھاویں اوس وچ حروف جار بہت گھٹ ہن تے فعلاں دی صورت اجے اپ بھرنشی یا پراکرتوی ہی ہے۔ بھئی دی تھاں 'بھوتی' ہے' کُنبھاری یاں جوگی دی رچنا وِراٹ پُران وچ کجھ نثر وی ہے تے گورکھ ناتھ دی دَسی رچنا ششٹ پُران نثر ہے۔ جس نوں اوس کال دی نثر دا اندازہ ہوسکدا اے۔''(2)

پروفیسر پریتم سنگھ دی کتاب ''صوفی ساہت- بابا فرید'' دے حوالے نال ڈاکٹر پرمندر سنگھ تے اوہناں دے ساتھیاں بابا فرید گنج شکرؒ دی نثر دا ایہہ نمونہ درج کیتا ہے۔

''بغیر گناہ ایک گھڑی ناہی گزری مجھ پر۔ حضور بن بندگی بھی ایک گھڑی نہیں گزری، یا نشچے جان۔ اِن نفس نے میرا صاحب، نہ راہ ماریا ہے''(3)

پر ایس ٹکڑے دی زبان وی بابا فرید گنج شکرؒ دی شعری زبان توں بہت دُور دسدی اے۔ ایس لئی کہیا جاسکدا اے کہ مڈھلی نثر دے ایہ نمونے مشکوک جیہے ای نیں۔

امیر خسروؒ (1253-1325) ہوراں پنجابی وچ کجھ بجھارتاں لکھیاں نیں۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ ہوراں اپنی کتاب وچ اوہناں دیاں چالھی بُجھارتاں درج کیتیاں نیں۔ ایہناں بُجھارتاں نوں وی پنجابی نثر دا مُڈھلا نمونہ منیا جاندا اے۔ نمونے وجھوں ایہہ بجھارتاں ویکھو۔

عجب ڈِٹھی اک کُڑی، راجے پگ لہائے
چُونے گچ حویلی، بوہا کوئی نہ
نکا جیہا ویہڑکا دو سنگیاں مارے(4)

بابا گورو نانک (1539-1469) نے پنجاب وچ اک نویں مذہب دی نیہہ رکھی۔ اوہناں دے پیروکاراں اوہناں دے وکھ وکھ ہستیاں نال ہوئے سوال جواب (گوشٹاں) توں لے کے اوہناں دے سفراں تیک دے حال مگروں سانبھ لئے۔ انج سکھ گورواں دے عہد وچ کئی نثر پارے محفوظ ہوئے۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ ایہناں دی لوڑ تے مقصداں دے نال نال محفوظ ہوئی نثر دی گل کردیاں لکھدے نیں۔

''سکھ گورو صاحبان تے ہور ہندو مسلمان بھگتاں دے بچن، اوہناں دیاں جیون کتھاواں یاں ساکھیاں، اوہناں دیاں ملاقاتاں جاں گوشٹاں دے حال تے اوہناں دی بانی دے معنے سنبھال کے رکھے جان تاں جو اوہناں دے چیلے تے معتقد اوہناں توں چانن ماریاں دا کم لین۔ دوجی ضرورت سی عام مسلم تے ہندو جنتا نوں پرانیاں سنسکرت تے فارسی چیزاں دیاں ترجمیاں راہیں مذہب وچ پکا کرنا۔ اوہناں دیاں تعلیم دا سمیان کرن۔ نالے عام لوکاں دے دل بہلان لئی اوہناں نوں پرانیاں لڑائیاں تے پرانیاں نویاں پریم کتھاواں توں جانو کرانا۔ سو ایس کال وچ جنم ساکھیاں تیار ہوئیاں، بچن اکٹھے کیتے گئے، گوشٹاں رچیاں جاں اُلٹائیاں گئیاں، پر مارتھ لکھے گئے۔ ہندوواں دیاں کتاباں جیکوں یوگ وِششٹ، گیتا، بھاگوت، اُپنِشداں، ہنگل پُران دے ترجمے ہوئے۔ پھر کجھ قصے ترجمائے گئے۔''(5)

مُغلاں دے عہد وچ نوشہ گنج بخشؒ (1605۔ 1691ء)(6) ورگی ہستی سامنے آؤندے نیں جیہناں دے وعظ، نصیحت نال دولکھ دے نیڑے لوکاں نے اسلام قبول کیتا۔ نوشہ گنج بخش ہوراں نے لوکائی نوں سمجھان لئی کجھ وعظ پنجابی نثر وچ لکھے، جیہناں وچوں چھے ہن تیک سامنے آ چکے نیں۔ ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد دے اُدم پاروں نوشہ گنج بخشؒ دی حیاتی تے فن بارے بہت کجھ لکھیا لبھدا اے۔ ایس لئی صرف اک وعظ وچوں نمونہ دے کے ای اگے ٹرنے آں۔

''بابا! جے توں واٹ سچی سدھی، سولی، سوکھی سائیں والیاں دی ملیں تاں کدے

نہ تھُڑیں تے کدے نہ تھِڑیں۔ایہ واٹ سائیں والیاں نال ملیاں' سچے ساتھ رلیاں' سچیاں گلاں سُنیاں سمجھیاں' سچیاں دے آکھے لگ ٹریاں چلیاں لبھدی ہے۔''(7)

سکھ گوروں دیاں جنم ساکھیاں ہون یاں گوشٹاں' گوروں دے حکم نامے ہون یاں ٹیکے ایہناں سبھے لکھتاں دے زبان برج بھاشا دے نیڑے تے پنجابی توں بہت دور وکھالی دیندی اے پر نوشہ گنج بخش تیک اپڑ کے پنجابی اپنا نکھیڑ واں رنگ ظاہر کردی اے۔

''مواعظ نوشہ'' توں بعد جیہڑی اہم ترین نثری لکھت سامنے آؤندی اے۔ایہ ''رسالہ بوہل نماز'' اے۔جیہدے لکھاری حافظ برخوردار رانجھانیں۔ایہنوں 1176ھ دے نیڑے تیڑے دی لکھت منیا جاندا اے۔ایہدے وچ نماز بارے فقہ دے مسئلے دسے گئے نیں۔زبان ٹکسالی اے پر تحریر وچ ادبی حسن دی کمی اے۔جیہدا کارن دسدیاں ڈاکٹر اختر جعفری لکھدے نیں۔

''تحریر وچ ادبی سہپن ایس لئی گھٹ اے پئی اوس نے زیادہ توں زیادہ معلومات اکٹھیاں کرن دی کوشش کیتی اے۔جویں ترے پائیاں تے اک ٹوپا سُتاں دا، سنتاں اندر وضو دے ترے۔''(8)

ایہدے بعد فقہ دے کھیتر وچ ای نثر دی اک ہور کتاب ''پکی روٹی'' سامنے آؤندی اے۔ڈاکٹر شہباز ملک موجب ایہ اٹھارویں صدی دے اخیر یاں انھویں صدی دے شروع دی لکھت اے۔(9) ایس وچ اسلامی فقہ دے 47 مسئلے بیان ہوئے نیں۔نمونہ ویکھو:

جے کوپچھے توں بندہ کس دا ہیں؟ توں آکھ جی! خدا تعالیٰ دا(10)

انھویں تے ویہویں صدی دے مڈھ وچ ''پکی روٹی'' نوں انتاں دی آدر ملی تے ماپے بڑے فخر نال دسدے سن کہ ساڈی دھی قرآن پاک دے نال نال ''پکی روٹی'' وی پڑھی ہوئی اے۔ایسے مانتا دا نتیجہ سی کہ انگریزی عہد وچ بہت ساریاں روٹیاں لکھیاں گئیاں۔ پکی روٹی کلاں دے نال نال مسی روٹی تے مٹھی روٹی ورگیاں کتاباں وی سامنے آئیاں۔

سکھ عہد وچ ای عیسائی مشنریاں اپنے مذہب دے پرچار تے اپنی سیاسی لوڑاں پاروں پنجابی زبان ول دھیان دتا۔اوہناں جتھے پنجابی زبان سکھن دی لوڑ پوری کرن لئی پنجابی لغتاں تیار کروائیاں۔گرائمراں چھپوائیاں۔اکھان تے محاورے کٹھے کیتے۔لفظالی تے قواعد تے کم کیتا۔لوک

گیت تے لوک قصے سُن کے لکھے تے لکھوائے۔ او تھے تخلیقی نثری لکھتاں تے ترجمے ول وی دھیان دتا گیا۔ انگریزاں دے پنجاب اُتے قبضے توں بعد عیسائی مشنریاں پنجابی نثر نوں نویاں صنفاں نال جانو کروایا۔

پنجابی دا پہلا ناول ''جیو تر ودی'' نامعلوم لکھاری (1882ء) توں اڈاوہناں 100 دے نیڑے تیڑے کہانیاں وی لکھیاں۔ بائبل دیاں مورتاں تے کہانیاں (1877ء) پنجابی دا پہلا باتصویر کہانی پراگا سی۔ عیسائی مشنریاں ولوں ای پہلا ناٹک ''ملکہ استر'' انہویں صدی دے اخیر وچ لکھیا گیا۔ گورونانک دیاں جنم ساکھیاں توں بعد جیونی دے کھیتر وچ وی اہم ترین کتاب ''جیون پُتک یسوع مسیح'' وی عیسائی مشنریاں ولوں 1892ء وچ لکھی گئی۔ سفرنامہ نما لکھت ''ایشاء دی سیر'' (1898ء) وچ سامنے آئی جیہنوں ڈاکٹر گورچرن سنگھ عرشی پنجابی دا پہلا سفرنامہ کہندے نیں۔ تخلیقی نثر دے نال نال عیسائی مشنریاں اپنے مذہب دے پرچار لئی کئی کتاباں ترجمے کرکے وی چھپوائیاں۔ ایہ ترجمے پنجابی نثر نوں پکیاں بنیاداں تے کھلارن لئی نیہہ پتھر ثابت ہوئے۔ ترجمہ لکھتاں وچ ناول ''مسیحی مسافر دی یاترا'' (1844ء) وی ذکر جوگ اے۔ ایس ناول دے کردار وی پنجابیاں دے ناواں ورگے جویں اندھیر سنگھ، اُجیت سنگھ، بدھو سنگھ، کرپا دئیی تے جیو جی کردتے گئے سن۔ (11)

انگریزاں 1849ء وچ پنجاب تے قبضہ کیتا پر کسے وی نویں تہذیب دا اثر فوراً لوکاں تے نہیں پیندا۔ پندرہ ویہہ سال کسے وی حقیقت نوں قبولن لئی بہتے تاں نہیں ہوندے پر عیسائی مشنریاں دیاں ادبی کاوشاں، تعلیمی نظام دی تبدیلی تے انگریزی زبان تے ادب پڑھن ول لوکاں دے رجحان پاروں پنجابی ادب نے وی چولا بدلیا۔ پہلاں ساڈے ہاں شاعری پردھان سی۔ مذہبی لکھتاں تے حکمت دیاں کتاباں تیک شعراں وچ لکھیاں جاندیاں سن۔ ہن ہولی ہولی نثر ول دھیان دتا جان لگ پیا۔ ڈاکٹر پرمندر سنگھ تے دوجیاں موجب:

> ''ناول تے ایس دیاں کئی وَنگیاں، نکی کہانی دے کئی روپ، ناٹک ساہت دے کئی نویں انگ آدبالکل اجوکے سمے دی کاڈھ ہن۔ ایسے طرحاں نرول وارتک وچ لیکھ، جیونیاں تے سفرنامے دا رواج وی چلیا اَتے کئی پرکار دے نبندھ ہوندوچ آئے ہن۔ کھوج تے ساہت آلوچناوی ایسے سمیں ہی ودھیرے پر پھلت ہوئی ہے۔'' (12)

ایہ سچ اے کہ انگریز عہد وچ پنجابی زبان نویاں نثری صنفاں نال جانو ہو چکی سی۔ ناول،

کہانی' سفرنامے' کھوج' پرکھ تے دوجیاں صنفاں دیاں دھڑادھڑ کتاباں آ رہیاں سن پر مسلمان لکھاری اجے وی ایہناں نویاں نثری صنفاں توں دور سن۔ ویہویں صدی دے پہلے ادھ وچ جدوں بھائی کاہن سنگھ نابھا، گوربخش سنگھ، لعل سنگھ کملا اکالی' ڈاکٹر پردمن سنگھ، ہیرا سنگھ درد، ڈاکٹر شیر سنگھ، ڈاکٹر ہردت سنگھ ڈھلوں، پیارا سنگھ صحرائی' تارا سنگھ تے ڈاکٹر رام سنگھ ورگے لکھاری لنڈن، امریکہ، جاپان، روس، فرانس تے دوجے یورپی ملکاں دے دے سفراں بارے وڈے وڈے سفرنامے لکھ رہے سن۔ مسلمان اودوں وی سفرنامے منظوم کر رہے سن۔ ایہناں 47 سالاں وچ گورمکھی وچ ویہہ نثری تے فارسی لپی وچ صرف دس منظوم سفرنامے آئے۔ ایہناں دساں وچوں وی صرف مولوی دلپذیر بھیروی، حافظ فضل الدین، نوربیگم تے مولوی نورحسین گرجاکھی دیاں کتاباں ای سفرنامے دے سبھے تقاضے پورے کر دیاں نیں۔

1947ء توں پہلاں دی نثر تے جھات ماریئے تاں مسلمان لکھاریاں دا نثری کم نہ ہون دی برابر اے۔ پھٹکل ڈرامے' کہانیاں' مضمون تے ہورنک سُک چھپیا لبھدا اے۔ ریڈیو توں رفیع پیر زادہ تے اک ادھ ہور لکھاری دے ڈرامے نشر ہوئے۔ میراں بخش منہاس دے ناول ''جٹ دی کرتوت'' تے اک ادھ ہور نثری کتاب توں اڈ فارسی رسم الخط وچ چھپیاں سبھے کتاباں دے لکھاری سکھ یاں عیسائی سن۔ مسلماناں دے ایس دور وچ پنجابی نثر توں دور ہون دے کئی کارن سن تے سبھناں تے گل بات کیتی جاسکدی اے پر فیر اسیں اپنے موضوع توں ہٹ جاواں گے۔

پاکستان بنن توں بعد ہولی ہولی جذباتی کیفیت مُکی۔ لوک حیاتی ول پرتے، دوجیاں حقیقتاں دے نال نال پنجابی ادب دیاں گھاٹاں تے کمیاں وی دسیاں۔ 1951ء وچ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر دے اُدم نال مہینہ وار ''پنجابی'' دا مُڈھ بجھاتے شاعری دے نال نال نثر ول وی دھیان دتا جان لگا۔ کہانی' ناول' ڈرامہ' سفرنامہ' انشائیہ' سیرت نگاری' قرآن پاک دے ترجمے تے تفسیراں' تنقید تے تحقیق نثر دے ہر کھیتر وچ کم ہون لگا۔ جیویں جیویں ویلا گزریا، پنجابی لکھاریاں دے اُدم نال شاعری وانگ نثر دا گھیراوی موکلا ہوندا گیا۔

تخلیقی صنفاں وچوں افسانہ تے ناول اوہ صنفاں نیں جیہناں ول ساڈے لکھاریاں سبھ توں پہلاں دھیان دتا۔ 1898ء وچ بھائی وِیر سنگھ دا ناول ''سُندری'' چھپیا۔ ایہدے بعد گورمکھی وچ تے کئی ناول چھپے پر 1947ء تیک فارسی لپی وچ صرف دو ناول میراں بخش منہاس دا ''جٹ دی

کرتوت'' تے جوشوافضل الدین دا ناول ''منڈے دا مُل'' ای دسدے نیں۔ آزادی توں بعد دو جیاں صنفاں وانگ ناول ول وی ہولی ہولی دھیان دتا جان لگا۔ 1947ءتوں 1970 تیک دے 23 سالاں وچ صرف چار ناول ''برکتے''-''دیواتے دریا''-''ٹھیڈا'' تے ''سانجھ'' ای چھپ سکے۔(13) برکتے تے ٹھیڈا نالوں افضل احسن رندھاوا دا ''دیوا تے دریا'' تے سلیم خاں گمی دا ''سانجھ'' فنی تے فکری طور تے کافی بہتر ناول سن۔ اگلے ویہہ سالاں (1990-1971) وچ 31 ناول چھپے۔(14) ایس دور دے ناولاں وچ فنی تے فکری حوالے نال اک نواں پن تے تازگی وی سی تے ویلے دیاں سبھے ادبی لہراں دی ترجمانی وی۔ 1991ءتوں 2014ء تیک دے بائی سالاں وچ تخلیق ہوئے ناولاں دی گنتی ستھ دے نیڑے تیڑے اے۔ ایس دور وچ 30 ناول اجیہے وی نیں، جیہڑے گورمکھی توں لپی بدل کے چھاپے گئے یاں دنیا بھر دیاں زباناں وچوں ترجمہ ہوئے۔ انج ایہناں بائی سالاں وچ چھپے ناولاں دی گنتی 90 توں ودھ ای بن دی اے۔ ایس عہد دا ناول فنی تے فکری طور تے وی پختہ اے تے نویں نویں تجربے وی وکھالی دیندے نیں۔ منشایاد دا ناول ''ٹاواں ٹاواں تارا'' جے ناول نگاری دے فن دیاں سخراں نوں چھوہ رہیا اے تاں نذیر کھوٹ دے ''واہگا'' جیہے ضخیم ناول وی سامنے آئے۔ افضل احسن رندھاوا تے فخر زمان دے بعد ایس عہد وچ فرزند علی تے میر تنہا یوسفی اجیہے لکھاری نیں جیہناں معیار ول وی دھیان دتا تے مقدار ول وی۔

پنجابی افسانہ انگریزی ادب دے اثر ہیٹھ ای پنجابی وچ پرچلت ہویا۔ کرپال سنگھ کیسل موجب جدید حوالے نال پنجابی نثر دی پہلی کتاب ''پنجابی بات چیت'' (1975ء) بن دی اے جیہڑی شردھا رام پھلواری نے انگریز افسراں تے اہلکاراں نوں پنجابی پڑھان تے پنجابی رہتل دا جانو کران لئی افسانوی ڈھنگ وچ لکھی۔(15)

> پنجابی افسانے دی مڈھ دی گل کردیاں ڈاکٹر شہباز ملک لکھدے نیں۔
>
> ویہویں صدی دے دوجے دھاکے وچ کملا اکالی تے گوربخش سنگھ نوں باقاعدہ پنجابی افسانہ دے موڈھی پاروں جانیا جاندا اے۔''(16)

1928ء وچ جوشوافضل الدین نے پنجابی رسالہ ''پنجابی دربار'' لائل پور توں کڈھنا شروع کیتا جس نال ہور لوکاں دا رجحان وی افسانے ول ہویا پر جوشوافضل الدین نے آپوں وی بہت جاندار افسانے لکھے۔ ڈاکٹر فاخرہ سلطانہ موجب 1933ء وچ اوہناں دا کہانی پراگا ''ادبی افسانے'' چھپیا۔(17)

پاکستان بنن توں پنجابی افسانے وی ترقی ول مہاراں موڑیاں۔ 70-1947 پنجابی افسانے چھپن دی رفتار گھٹ ای رہی۔ نواز دا مجموعہ'' ڈونگھیاں شاماں'' پاکستان بنن توں بعد پہلی کتاب سی۔ ایہدے بعد رفعت' آغا اشرف' اختر سلیمی' نسیمہ اشریف علی تے حنیف چودھری دے افسانوی مجموعے سامنے آئے۔(18)

ایہناں 23 سالاں وچ بھاویں افسانیاں دے گھٹ مجموعے چھپے پر افسانہ لکھن دی تعداد دن بدن ودھدی رہی۔ ایہو کارن سی کہ 1980-1971ء تیک پنجابی افسانے دیاں پنجی کتاباں سامنے آئے۔(19) اگلے دس سالاں یعنی 90-1981ء تیک ایہ تعداد دونی ہوگی (20) تے اج پنجابی وچ چھپے افسانوی مجموعیاں دی گنتی چار سو دے نیڑے اپڑ چکی اے۔

ہن اک گھٹ عمر والی تے مہنگی صنف سفرنامے دا کجھ ویروا کرنے آں۔ رسالیاں وچ سفرنامے چھپن دا مڈھ تاں 1952ء وچ ای بجھ گیا سی، جدوں مولانا غلام رسول مہر دا سفرنامہ مہینہ وار پنجابی وچ چھپیا سی تے ہن تیک پنجاہ دے نیڑے تیڑے نکے وڈے سفرنامے اخباراں تے رسالیاں وچ چھپ چکے نیں جیہناں وچ عطاالحق قاسمی (تہران داسکھدیپ)، سید سبط الحسن ضیغم (دلی یاداں دے جھروکھے وچوں)، احمد سلیم (چھوڑ آئے اوہ گلیاں)، جمیل احمد پال (فیر اوہی لندن' فیر اوہی میں)، اقبال زخمی (ہر سال رہواں آوندا) تے فاروق ندیم (جلا وطن) دے سفرنامے معیار دے حوالے نال سلاہن جوگ نیں۔ اخباراں تے رسالیاں توں ہٹ کے گل کریئے تاں پہلا سفرنامہ اعجاز الحق دا ''یورپ توں چینگم دے نال'' بن دا اے جیہڑا 1975ء وچ شائع ہویا۔ فیر سلیم خاں گمی ہوراں ''دیس پردیس'' دی شکل وچ اک چنگا سفرنامہ 1978ء وچ چھپوایا۔ مزاح، ادبی چاشنی تے حسنِ بیان ایس سفرنامے دے خاص گُن نیں۔ 1980ء وچ محمد اسماعیل احمدانی دا سفرنامہ ''پیت دے پندھ'' چھپیا۔

اگلے دس سالاں یعنی 90-1981 تیک چھپن والے سفرنامیاں وچ سجاد حیدر پرویز دا ''ویندئیں وگدیں''، ممتاز حیدر ڈاہر دا'' پکھی واس''، نعیم ثاقب دا ''بنھے بھار مسافراں''، احمد سلیم دا ''جھوک رانجھن دی'' سامنے آئے۔ ویہویں صدی دے آخری دھاکے وچ ست سفرنامے چھپے۔ جیہناں وچ عبدالباسط بھٹی دا ''کوکدے پندھ کرلاندے پاندھی''، سہیل انجم دا ''گوتم دے دیس''، ڈاکٹر شہباز ملک دا ''میریاں بھارت پھیریاں''، سید طارق ممتاز دا ''کوئی دن مان مسافر''، ملک ارشد

حسین دا راکا پوشی دی چھاں، جہانگیر مخلص دا ''پندھیڑو'' تے حمید اُلفت ملغانی دا ''پاندھی پچھاں واٹیں تکاں'' شامل نیں۔

ایس سارے ویروے نوں سامنے رکھ کے اسیں کہہ سکنے آں کہ اپنے مُڈھ یعنی 1975ء توں 2000ء تیک دے پنجی سالاں وچ صرف چوداں سفرنامے ای چھپے سن جدکہ پچھلے پندرہ سالاں وچ چھپن والے سفرنامیاں دی تعداد تیہہ دے نیڑے اے۔ جیہناں وچ اقبال زخمی تے جمیل پال دے دو دو تے پروفیسر عاشق رحیل دے پنج سفرنامے وی شامل نیں۔ ایہناں وچوں ست سفرنامے حج دے حوالے نال لکھے گئے نیں۔ حج دے حوالے نال سامنے آون والے سفرنامیاں دے لکھاری حفیظ تائب' اقبال زخمی' حیدر زماں حیدر' دلشاد احمد چن' محمد رمضان طالب تے اثر انصاری فیض پوری سبھے شاعر نیں۔ پنجابی نثر دے چنگے مستقبل دا ایس توں وڈا ثبوت ہور کیہ ہوسکدا اے کہ ویہویں صدی دے مُڈھ وچ شاعر سفرنامے منظوم کر رہے سن تے اکہویں صدی دے مُڈھ وچ شاعر وی نثری سفرنامے لکھ رہے نیں۔

اساں ہن تیک پنجابی نثر دیاں کجھ تخلیقی صنفاں تے مستقبل دے امکاناں بارے مختصر گل کیتی اے۔ ایہناں توں اڈ دو جیاں صنفاں ول وی جھات ماریئے تاں سانوں پنجابی نثر دا سفر دنوں دن اگے ای اگے ودھدا وکھالی دیندا اے۔ اج پنجابی وچ رسالے وچ چھپ رہے نیں تے اخبار وی۔ پنجابی نثر دے ودھاء وچ کتاباں نوں ایوارڈ تے انعام دین والے ادارے وی اپنا بھرواں کم کر رہے نیں۔ جس توں پریرنا پا کے ساڈے لکھاری ہر سال کوئی نہ کوئی نویں کتاب سامنے لیاؤندے ای رہندے نیں۔ ایہ سارے حالات پنجابی نثر دے چنگے مستقبل دی دس پاؤندے نیں تے سانوں آس اے کہ ہن اوہ دن دور نہیں جدوں کلاسیکی شاعری وانگ اسیں پنجابی نثری لکھتاں تے وی مان کر سکاں گے۔

☆☆☆☆

حوالے

1- پنجابی ساہت دی اُتپتی تے وکاس، ڈاکٹر پرمندر سنگھ تے دوجے، لدھیانہ- لاہور بک شاپ، دسواں ایڈیشن، ص66

2- ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، پنجابی ادب دی مختصر تاریخ، لاہور، سردار ہرکشن سنگھ ماڈرن پبلی کیشنز، میکلوڈ روڈ، س ن، ص30-31

3- پنجابی ساہت دی اُتپتی تے وکاس، اگ

4- موہن سنگھ دیوانہ، ڈاکٹر: پنجابی ادب دی مختصر تاریخ، لاہور، سردار ہرکشن سنگھ، ماڈرن پبلیکیشنز، س ن، ص24-25

5- ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، پنجابی ادب دی مختصر تاریخ، ص120

6- ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد: حضرت نوشہ گنج بخشؒ احوال و آثار، مکتبہ نوشاہیہ سنگھوئی جہلم 2009ء، ص 132,75

7- مواعظ نوشہ، ص47 8- اختر جعفری، کھوج16-15، ص81

9- شہباز ملک، ڈاکٹر، گویڑ، 1985ء، ص53

10- پکی روٹی، شہباز ملک (مرتب)، لاہور، 1973ء، ص45

11- ڈاکٹر گورچرن سنگھ عرشی، پنجابی بھاشا تے ادب نوں عیسائی مشنریاں دی دین، مطبوعہ کھوج16-15، ص126-130

12- ڈاکٹر پرمندر سنگھ تے دوجے، پنجابی ساہت دی اُوتپتی تے وکاس، ص315

13- نسرین مختار، پنجابی ناول دا ارتقاء، لاہور، پاکستان پنجابی ادبی فکری سانجھ، 2010ء، ص13

14- ایضاً، ص 40,122

15- کرپال سنگھ کیسل (مدیر)، پنجابی ساہت دا اتہاس (بھاگ دوجا)، پٹیالہ بھاشا و بھاگ، 1972ء، ص43

16- شہباز ملک، ڈاکٹر، گویڑ، لاہور، تاج بک ڈپو، 1985ء، ص208

17- فاخرہ سلطانہ، پنجابی وچ نکی کہانی دا ارتقاء- تحقیقی جائزہ، (مقالہ پی ایچ ڈی)، شعبہ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی، 2009ء، ص 105

18- شہباز ملک، گویڑ، ص211

19- فاخرہ سلطانہ، پنجابی وچ نکی کہانی دا ارتقاء- تحقیقی جائزہ، ص161

20- ایضاً، ص210-208

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 36, Sr.No.98, 2015, pp 123 - 132

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۶، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۵ء، شمارہ ۹۸

تلميحات القرآنية فی شعر إقبال

ڈاکٹر محمد افضل عابد☆

Abstract:

Dr. Allama Muhammad Iqbal was an eminent personality of his time. He is not only our national poet but he is a poet of whole Muslim Umma. A very few people know that Iqbal was having a very good command of Arabic Language. A renown scholar of his time Syed Mir Hassan was the man who tought and guided him towards Arabic language and literature. His poetic verses are full with Quranic images(Talmihat) He seeked all his guiadance from the Holy Quran and the Sira of Prophet Muhammad (P.B.U.H)

Key words: Modern Arabic literature, Autobiography, of Iqbal Analysis.

وقبل ان نذكر التلميحات القرآنية (۱) فی اشعاره يليق بنا ان نلقی الضوء علی كتابه تجديد التفكير الدينی فی الإسلام. وفی مقدمة الكتاب إقبال يقول:

إنّ القرآن الكريم كتاب عناية بالعمل فوق عنايته بالرای والحق إنه إتخذ من القرآن جوهراً لكتابه هذا الذی ينطوی علی محاضرات القاها فی مدنية مدراس، وحيدر آباد، وعليگره نزولاً علی رغبة الجمعية الإسلامية بمد راس :

إذ نحن لا نكاد نقلب من هذا الكتاب صفحة او صفحتين إلا وجدناه يورد آية او آيتين بل وآيات متتاليات مستمداً منها حجة إذ انه يقيم للفلسفة كيانا جديداً(۲)

ويورد إقبال قوله تعالیٰ: ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِO وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَO وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَO لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍO﴾ (۳) ای لتركبن حالاً بعد حال مطابقة لها بشدّة،

☆ الاستاذ المساعد فی الكلية الحكومية پوست كريجويت بغداد رود بهاولبور

ولمفسرون على ان الكافرين سيدخلون من الشدة فى حال بعد حال،

فالإنسان فى يده زمام اموره وله السيطرة على تقرير مصيره وتكييف العالم من حوله وهو فى ذلک يهيى نفسه لمواجهة قویٰ الكون تارة كما انه القدير على تخير تلک القویٰ كما يريد تارة اخرى(۴)

ويستشهد بقوله تعالى فى سورة الفرقان اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّکَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ• وَلَوْ شَاء َ لَجَعَلَه سَاكِنًا• ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا (۵) وبقوله تعالى :فى سورة الغاشية ﴿اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْO وَاِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْO وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ O وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْO ﴾ (۶) على ان القرآن يدعو إلى الملاحظة التاملية للطبيعة، ذلک ان الطبيعة آية على خالقها عزوجل ويعد مثل هذا اتجاهاً نحو التجربة التى يحث القرآن عليها كما يعجب للقرآن وهو يدعو إلى تلک اليقظة التجريبية فى عصر لم يكن اهله ملتفتين إلىٰ عالم الحسيات والمرئيات من حيث كونه هادياً لإنسان فى بحثه عن الخلق(۷)

ويستشهد إقبال بقوله تعالى ﴿ قُلْ هُوَاللهُ اَحَدٌo اَللهُ الصَّمَدُ o لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ oوَلَمْ يَكُنْ لَّه كُفُوًا اَحَدٌo ﴾(۸) على فردية او وحدانية الذات الاولىٰ التى اطلق الله إسم علمه عليها هو الله.

وذكر القرآن للذات الإلٰهية غير مرّة دليل على إشارته إلى الفردية الكاملة. بالإضافة إلى الفكر الفلسفى فإن اقبال استعمل فى ادبه اكثر التراكيب من المصطلحات والقصص القرآنية.

مثل ضرب كليم، چراغ مصطفوى، شرار بولهبى، بانگ اسرافيل، لات ومنات، قم باذن الله، موسى و فرعون، والطور، سركليمى، يوم النشور، براهيمى نظر، لا تحزنوا، لوح و قلم وغيرها من التراكيب التى استعملها بإنسجام مما يزيد من قوة البيان والتعبير المعنوى وقد وضع الكلمات القرآنية للقوافى والرديف، وإتيانه بالتشبيهات مرآة صادقة لافكاره القرآنية.

التلميحات القرآنية فى اشعار إقبال الاردية

إذا ذهبنا نتتبع آيات الذكر الحكيم فى شعر إقبال، الفيناه يشير إليها فى مواضع، بينما يورد عبارات فى مواضع آخرىٰ، وقد تطول العبارة فيورد جزء اً من الآية. فلا يتسع البيت من شعره إلا لكلمة واحدة منها، وفى الاحايين يجتمع القرآن والحديث فى البيت الواحد،

(وهو حين يخوض فی موضوع، اويدلی برای، يستجمع كل ما جاء فی القران متعلقاً به ليتزود من آياته ما يقتدر به علیٰ بسط القول فی يسر ووضوح معتمداً علی كلام الله، مصدراً لما يشرح من معنیٰ ويورد من لفظ فی وقت معاً والامثلة لهذا من رايه فی جميع كتبه من الكثرة فی ابعد الغايات اما الكيفية التی ضمن بها الآيات لشعره فمحكومة بالتعبير والوزن والقافية، فنری الشطر يتسع لآية او بعض منها، وشطراً آخر يضيق تمام الآية ولا يتسع إلّا لكلمة منها(۹)حيث يقول :

خودی میں ڈوب کے ضرب کلیم پیدا کر ہزار چشم تیرے سنگ راہ سے پھوٹے(۱۰)

تنفجر من حجرک آلآف عيون، وتحصل علی موسی (الضرب الكليمی) بعد الغرق فی الذاتية فی هذا البيت يشير شاعرنا العبقری محمد إقبال إلی قصة بنی إسرائيل انهم لما طلبوا ماءً من سيدنا موسیٰ فی الصحراء فی حالة شدة العطش، وذلک لما خرجوا من مصر خوفاً من فرعون وقومه. حيث ان القرآن قد قص علينا القصة هذه قائلا

﴿وَاِذِ اسۡتَسۡقٰی مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبۡ بِّعَصَاکَ الۡحَجَرَ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ اللهِ وَلَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ﴾ (۱۱) ويقول:

ہے تیرا مدو جزر ابھی چاند کا محتاج تو معنی والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا(۱۲)

ليس من العجب بانک ما فهمت معنیٰ (والنجم) لانّ مدک وجزرک محتاج إلی القمر الآن.

ورد هذا البيت فی منظومة معراج ويريد الشاعر بذكر كلمة (النجم) السورة القرآنية، وهی سورة النجم. وقد ذكر المفسرون بان كوكباً باسم النجم قد طلع يوم عرج النبی عليه السلام إلی السماء الدنيا. ولبيت فيه إشارة إلی قوله تعالیٰ ﴿وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰی o مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوٰیo ﴾ (۱۳) ويقول إقبال:

صنم کدہ ہے جہاں لا اله إلا الله یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے(۱۴)

إنّ هذا العهد يفتش عن إبراهيمه لان الكون هذا قد صار معبد الاصنام وفی هذا البيت إشارة إلی قصة إبراهيم عليه السلام التی فيها انه هدم معابد الاصنام بضرب التوحيد وقوته، إذ انّ الشاعر يقول فی هذا البيت ان العصر الحاضر اصبح معابد الاصنام بسب الشرک والعبودية لغير الله، ولذا هذا العصرفی اشد حاجة لإبراهيم الذی يهدم معابد الاصنام بقوة لا إله إلّا الله ويرفع اساس التوحيد من جديد. ويقول:

سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری آ بتاؤں تجھ کو آ یہ إنّ الملوک(۱۵)

ايها القاری تعال اعلمک معنیٰ إنّ الملوک إنّ حكومة الامم الحاكمة هی

لسحر فی ذاتها.

هذا الشعر من منظومة خضرراه وفی الشطر الاول من البیت إشارة إلی قوله تعالیٰ:

﴿ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَکَذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَ ﴾ (۱۶)

ویقول :شاعرنا العظیم ونباض الفطرة الإنسانیة فی کتابه جناح جبریل

عطا اسلاف کا جذب دروں کر شریک رمزه لا یحزنون کر
خرد کی گھتیاں سلجھا چکا میں میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر(۱۷)

هب لی ان افنی فی الله کما فنی السابقون وان اکون من (اولئک الذین لا خوف علیهم ولا هم یحزنون) حللت عقدة الفکر انفإ یا رب إجعلنی مجنونا)

الشاعر فی هذا البیت یناجی ربه ویطلب منه ان یمنحه بصیرة السالفین من قومه الذین کانوا بعیدین عن ام الخسائف الا وهو الحزن والالم، وان یهبه الحب والعشق (لله) الذی بسببه یکون الإنسان ملیئاً بالإیمان والیقین واما قول الشاعر لا یحزنون فی الشطر الثانی من البیت ففیه إشاره إلی قوله تعالیٰ : ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ (۱۸) ویقول:

اے صبح ازل انکار کی جرات ہوئی کیونکر؟ مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا؟(۱۹)

وقد ترجم زهیر ظاظا هذا البیت نظماً حیث یقول:

کیف ابلیس الرجیم قال :لا، للکون هذا
ولما ذا انا حتی الآن لا ادری لما ذا
لیت شعری انا انت حقاً ام انا موضع یسره(۲۰)

وفی هذا الشعر یشیر شاعرنا إلی قصه خلق آدم علیه السلام وهذه القصة موجودة فی سورة البقرة وفی هذا الشعر إشارة لطیفة إلی هذه الآیة ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍo فَاِذَا سَوَّیْتُه وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَه سٰجِدِیْنَ o فسجد الملائکة کلهم اجمعون إلا إبلیس ابی ان یکون مع الساجدینo﴾(۲۱) ویقول:

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی؟(۲۲)

من تری یسر الذبیح لبرا بعد ما کان تله للجبین
کثرة الدرس ام نباهة نفس إن فی ذاک آیة للضنین(۲۳)

وفی هذا البیت تلمیح للآیة الشریفة:

﴿فَلَمَّا بَلَـغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُـؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَاءَ اللهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ o فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّه لِلْجَبِیْنِ o وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓـاِبْرٰهِیْمُ o﴾ (۲۴) ویقول:

ارنی میں بھی کہہ رہا ہوں مگر یہ حدیث کلیم وطور نہیں(۲۵)

انا اقول ایضاً ارنی ولکن وا آسفاه لا یتعلق هذا بموسی ولا سیناء

قول الشاعر (ارنی) فی الشطر الاول من البیت هو جزء آیة قرآنیة وهی قوله تعالی : ﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَه رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ﴾ (۲۶)

التلمیحات القرآنیة فی اشعاره الفارسیة

یقول شاعرنا الفیلسوف فی کتابه ارمغان حجاز ای هدیة الحجار

دریں وادی زمانی جاودانی زخاکش هے صور روید معانی

حکیماں با کلیماں دوش بر دوش که ایں جاکس نه گوید لن ترانی(۲۷)

وقد ترجم هذا البیت الدکتور حسین مجیب مصری نظماً:

بوا دینا خلود للزمان بلا صور نمت فیه المعانی

حکیم دائماً آخی کلیما لسان ساکت عن (لن ترانی) (۲۸)

یوجد فی هذا البیت زمن خالد حین تنبت فی ترابه معان بلاضوء فالحکماء والمتکلمون یجلسون جنبا إلی جنب فی هذا المکان لانّ احداً هنا لا یقول (لن ترانی)

وفی الشطر الثانی من البیت الثانی فیه إشارة إلی آیة مبارکة:

﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَـقَرَّ مَکَانَه فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ﴾ (۲۹)

ویقول إقبال خلال هذه ابیات لو انّه قد انکر عن التجلّی فی الوادی الایمن، ولکن فی وادی حب الرسول ما حرم طالب الحق عن تجلیه.(۳۰) ویقول:

حق آں ده که، مسکین و اسیر است فقیر و غیرت او دیر میر است

بروئے او در میخانه بستند دریں کشور مسلمان تشنه میر است(۳۱)

آنله الحق، مسکین اسیر فقیر وهو فی قلق یثور

وهذی حانة قد اوصدوها لیظما والردی کاس تدور(۳۲)

ویقول الشاعر خلال هذه الابیات: اعط المسکین هذا حقه لانه اسیر و فقیر، وغیرته قد ماتت منذ زمن بعید، واغلقوا علیه فی وجهه باب الحانة، وهکذا یموت المسلمون فی هذا البلد ظلماً وفی الاشعار المذکورة یشیر شاعرنا إلیٰ قوله سبحانه و تعالیٰ :

﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ (۳۳) ویقول فی الاسرار والرموز:

آهل حق را رمز توحید ازبر است　　در (اتی الرحمان عبداً)، مضمر است
ما مسلما نیم و اولاد خلیل　　از (ابیکم)، گیر اگر خواهی دلیل(۳۴)

وقد ادیٰ معنیٰ هذین البیتین الدکتور حسین مجیب مصری نظما حیث یقول :

إنّما التوحید رمزیذ کر　　فی (اتی الرحمان عبداً)، مضمر
مسلمون عند اولاد الخلیل　　من (أبیکم)، لک ان شئت الدلیل(۳۵)

یضمن الشطر الثانی من البیت الاول جزءً من قوله تعالیٰ

﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ (۳۶)

کما یضمن الشطر الثانی من البیت الثانی کلمة (ابیکم) من قوله تعالیٰ ﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (۳۷)

والملة؛ الدین، واصل ذلک ان یقال الملة الطریقة السلوکیة، ویری بعضهم ان ذلک من إملال الکتاب، لانّ السنة تملّ وتکتب لیعمل بها. ویری آخرون ان ذلک من قولهم طریق ممل ومایل مسلوک معبد لسیر، والملّة توطا للناس لیسیروا علیها (۳۸)

ویقول:

آنکه برا عدا رحمت کشاد　　مکه را پیغام (لا تثریب) داد (۳۹)

ویوم الفتح هذا الغافر، قال لا تثریب وهو القادر، وفی الشطر الثانی من البیت فیه إشارة إلی عفو الرسول علیه السلام یوم فتح مکة عن قریش، والقصة انه لما دخل رسول الله مکة فاتحاً، واهلها کانوا خائفین بانهم کیف یقابلون بمن اخرجوه امس من هذه البلدة، ولکن نبی الرحمة قال لهم مثل ما قال یوسف لإخوته کما ورد فی القران الکریم:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ (۴۰)

إلی هذه الآیة القرآنیة اشار إقبال بقوله (مکه راپیغام لا تثریب داد) ویقول:

آیه تسخیر اندر شان کیست؟　　این سپهر نیلگوں حیران کیست؟ (۴۱)
آیة التسخیر فیمن انزلت　　حذه الافلاک فیمن حیرت(۴۲)

والمعنی ان جمیع الکون قد خلقت لخدمة الإنسان، ولکن هل فی الانسان حقا ذلک الاستعداد الذی یمکنه من التغلب علی الزمان والمکان؟ ففی هذا البیت تلمیح إلیٰ قوله تعالیٰ:

﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَه ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾ (۴۳) ويقول:

اے ترا تیرے که مارا سینه سفت حرف (ادعونی) که گفت وباکه گفت(۴۴)

قد رشفت الصدر منا بالسهام حرف (ادعونی) لمن هذا الكلام(۴۵)

ويشيرالشاعرُ إلى هذه الآية ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِىْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ﴾ (۴۶)

وشاعر اليقظة الإسلامية اقبال يقول:

لا ولا إحتساب كائنات لا و إلّا فتح باب كائنات

هر دو تقدير جهان كاف ونون حركت ازلا زاهد از الا سكون (۴۷)

هذه الابيات قدوردت تحت عنوان لا إله إلا الله إذ يقول شاعرنا إنه لهذه الكمة تاثيرها البالغ فى حياة الامم، فإنها للفرد والمجتمع عقيدة القوة وركيزة التقدم والإنطلاق، وإقرار العبودية للخالق، ورفض كل عبادة لما سوى الله، وفى الشطر الاوّل من البيت الثانى قوله (كاف ونون) فيه إشارة إلىٰ قوله تعالىٰ:

﴿ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَه كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ (۴۸) ويقول:

قلب مؤمن راكتابش قوت است حكمتش (حبل الوريد) ملت است(۴۹)

وقد ترجم الاستاذ عبدالوهاب عزّام هذا البيت بقوله

سفره فى القلب نبع القوة شرعه حبل وريد الامة (۵۰)

كلما ورد فى المصطلحات القرآنية كلمة (كتاب) يرادبها القرآن الكريم وكذلک (حكمة) يرادبها اقوال الرسول؟ التى هى احسن التفسير للقرآن فعلىٰ سبيل المثال قول الله عزوجل:

﴿هُوَالَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِه وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (۵۱)

فالمراد بالكتاب و (الحكمة) القران الكريم والآحاديث النبويه علىٰ الترتيب وفى الشعر المذكور لفظ (حبل الوريد) ماخوذ من قوله تعالىٰ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (۵۲) ويقول :

تانهال تب علينا غنچه است صورت كار بهار ما نشست(۵۳)

وعزام يترجم البيت نظماً يقول:

(تب علينا) نضرت زهرتها فنمت فى ارضنا روضها (۵۴)

وفی الشعر یوجد إشارة لطیفة إلی دعاء إبراهیم واسمعیل علیهما السلام حینما یرفعان القواعد من بیت الله العتیق فی مکة المکرمة : ﴿وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ (۵۵)

لقد وجدنا فی کلام شاعرنا الحکیم العلامة محمد إقبال آیات کثیرة ولکننا ترکناها مراعاة للإختصار. وفی الاصل إقبال شاعر الإسلام قد شرح الإسلام والقرآن خلال اشعاره بطریقة جدیدة، حیث نجد لها تاثیراً رائداً.

کما یقول استاذنا المحترم الدکتور ظهور احمد اظهر معلقاً علی شخصیته وفنه:

(إنّ اقبال رحمه الله قد کان عَلَماً من اعلام الإسلام ورائداً من روّاد الحرکة الإصلاحیة الاجتماعیة فی التاریخ الإسلامی الحدیث، کما انه کان قائداً من قادة الفکر الحدیث، لا فی الشرق وحده بل فی الشرق والغرب معاً إنک لا تجد نظیراً له فی الشرق الإسلامی کله، فقد کان انساناً فریداً، وشخصیته نابغة، و کان مصلحاً اجتماعیا وزعیماً سیاسیاً فی نفس الوقت، (۵۶)

وجعل إقبال القرآن مصدر الإلهام لدعوته لانه کان یؤمن بالقرآن إیمانا لاحدله واشار إلیٰ هذا الاستاذ ابو الاعلیٰ المودودی فقال :إن کل ما کان یفکر فیه إقبال فیه بعقل القرآن وکل ما کان یراه، کان یراه بعین القرآن (۵۷) بینما یقول خلیفة عبدالحکیم کان إقبال شاعر القران و قرآن الشعر (۵۸)

ویقول السید سلیمان الندوی فی کتابه (روائع إقبال)

اما العلامة محمد اقبال، فکان من توفیق الله تعالیٰ ومن حسن حظ الإسلام والمسلمین فی الهند، انه عرف نفسه فی اوّل یوم، وقدر مواهبه تقدیراً صحیحا، ثم رکز فکره وقوة شاعریته علی بعث الحیاة والروح فی المسلمین فی الهند، وإیجاد الثقة والإعزاز بشخصیتهم والایمان برسالتهم، والطموح إلی القوة والحریة والسیادة کان شاعراً مطبوعاً، حتی لو اراد او اراید ان لا یکون شاعراً لما إستطاع ولقهره الشعر وغلبه.

فإقبال :لم یکن شاعر ملک، ولا شاعر الوطنیة، ولا شاعر الهوی والشباب ، ولا شاعر الفلسفة والحکمة، بل کان صاحب رسالة إسلامیة، استخدم لها الشعر کما تستخدم للرسائل اسلاک الکهرباء ، فتکون اسرع وصولاً، ولطیب الازهار نفحات الهواء فیکون اکثر إنتشاراً فکان الشعر حامل رسالته، ورائد حکمته، یسبقها وللله جنود السموات والارض ولا اعرف احداً یستخدم شعره لغرض اسمیٰ غایة واجدی لغة منه فایقظ امّته، واشعل قلوبها إیمانا وحماسة وطموحاً إلیٰ حیاة الشرف والاستقلال والسیادة والحکم الإسلامی، حتی اصبحت فی یوم من الایام الدولة المسلمة الحرة حقیقة راهنة وواقعا ملموساً (۵۹)

☆☆☆☆☆

الهوامش

(۱). التلميح نوع من انواع البلاغة وهو لگة اختلاس النظر كما صرح به ابن منظور حيث قال :لمح إليه يلمح والمح :اختلس النظر... وقال بعضهم هو النظظر فحسب، لكن الاول اصح وذهب الازهرى إلىٰ ان التلميح هو النظرة بالعجلة قائلاً :المحت المراة من وجهها الماحا :اذا امكنت من ان تلمح، تفعل ذلک الحسناء ترى محاسنها من يتصدى لها ثم تخفيها وقدوردت هذه الكلمة بهذا المعنى فى قوله سبحانه وتعالىٰ: كلمح البصر اى كخطفه بالبصر. انظر لسان العرب (ل م ح)، ج:۲ ، ص: ۵۷۴ وفى معناه الإصطلاحى يقول الجرجانى التلميح هو ان يشار فى نحوى الكلام إلى قصة او شعر او مثل سائر غير ان يذكر صريحا، والقصد بالتلميح الإيجاز الجميل، والحسن فى الكلام، وبذک كثر استخدا. هذا الصنف من البلاغة عند الشعراء العرب وغيرهم فى كلامهم المنظوم والمنثور. النظر كتاب التعريفات ص؟:
، و مختصر المعانى ص: ۵۳۱

(۲) تشكيل جديد الهيات إسلامية، ص: ۱۳، ترجمة سيد نذير نيازى ـ Reconstruction of Religious Thought in Islam by M. Iqbal

(۳) سورة الإنشقاق، رقم الاية: ۱۶–۱۹ (۴) تشكيل جديد إلهيات إسلامية ص: ۱۳

(۵) سورة الفرقان رقم الآية ۴۵–۴۶ (۶) سورة الغاشية:، رقم الآية ۱۷–۲۰

(۷) تشكيل جديد إلهيات إسلامية، ص: ۶۵ (۸) سورة الاخلاص كاملة

(۹) إقبال والقرآن للدكتور حسين مجيب المصرى ص: ۲۵۱

(۱۰) ضرب كليم (عصى موسى)، الصحفة الاولى من الورق الاول.

(۱۱) سورة البقرة، رقم الآية :۶۰

(۱۲) ضرب كليم (كليات إقبال الاردية) ص: ۴۷۹

(۱۳) سورة النجم رقم الاية :۲،۱

(۱۴) ضرب كليم منظومة لا إله إلا الله ص: ۴۷۷ "كليات"

(۱۵) بانک درا (جرس القافلة)، ص: ۲۶۰ "كليات"

(۱۶) سورة النمل، رقم الآية: ۳۴ (۱۷) بال جبريل (كليات)، ص: ۳۷۹

(۱۸) سورة يونس، رقم الآية: ۶۲ (۱۹) بال جبريل، ص: ۲۹۸

(۲۰) جناح جبريل ص: ۲۰،۲۱ (۲۱) سورة الحجر رقم الآية: ۲۸،۳۱

(۲۲) بال جبريل، ص: ۳۰۶ " كليات اردية"

(۲۳) جناح جبريل، ص: ۳۷ (۲۴) سورة الصافات رقم الآية: ۱۰۲–۱۰۴

(۲۵) بال جبریل، ص: ۳۳۵ (۲۶) سورة الاعراف، رقم الآیة: ۱۴۳
(۲۷) ارمغان حجاز، ص: ۹۱۲ "کلیات فارسیة"
(۲۸) هدیة الحجاز، ص: ۵۰. (ترجمة ارمغان حجاز للاستاذ حسین مجیب المصری.
(۲۹) سورة الاعراف رقم الآیة: ۱۴۳
(۳۰) معارف إقبال، لعبد الرحمان طارق، ص: ۲۴۸ ط إشاعت منز، بل روڈ لاهور، بدون تاریخ
(۳۱) ارمغان حجاز، ص: ۹۱۶ (۳۲) هدیة الحجاز لحسین مجیب المصری، ص: ۵۳
(۳۳) سورة البقرة الآیة: ۲۷۳ (۳۴) اسرار وموز للعلامة محمد إقبال ص: ۹۱–۹۳
(۳۵) إقبال والقرآن:، ص: ۲۷۱ (۳۶) سورة مریم، رقم الآیة: ۹۳
(۳۷) سورة الحج، رقم الآیة: ۷۸ (۳۸) إقبال والقرآن لدکتور حسین مجیب مصری، ص: ۲۷۱
(۳۹) اسرار خودی ص: ۲۰ "کلیات فارسیة"
(۴۰) سورة یوسف، رقم الآیة: ۹۲ (۴۱) جاوید نامه، ص: ۵۹۶ "کلیات فارسیة"
(۴۲) فی السماء ترجمة جاوید نامه فی اللغة العربیة للاستاذ حسن مجیب المصری، ص: ۲۱ الناشر المکتبة العلمیة لیک روڈ لاهور
(۴۳) سورة لقمان، رقم الآیة: ۲۰ (۴۴) جاوید نامه، ص: ۵۹۶
(۴۵) فی السماء، ص: ۲۱ (۴۶) سورة المؤمنون، رقم الآیة: ۶۰
(۴۷) "پس چه باید کرو اے اقوام شرق ص: ۸۱۳ (کلیات فارسیة) ای عمل اذا ینبغی ان یفعل یا امم الشرق"
(۴۸) سورة یسن، رقم الآیة: ۸۲ (۴۹) اسرار و رموز ص: ۱۰۱، (کلیات فارسیة).
(۵۰) الاسرار والرموز ترجمة اسرار و مروز لعبد الوهاب عزام ص: ۹۶ ط :دارالمعارف مصر ۱۹۵۶م
(۵۱) سورة الجمعة، رقم الآیة: ۲ (۵۲) سورة ق، رقم الآیة: ۱۶
(۵۳) اسرار و مروز، ص: ۱۰۰، (کلیات فارسیة)
(۵۴) الاسرار والرموز لعزام، ص: ۹۵ (۵۵) سورة البقره، رقم الآیة: ۱۲۸
(۵۶) إقبال العرب علی دراسات إقبال) مقدمة الکتاب.
(۵۷) إقبالیات کا تنقیدی جائزه لاحمد میاں اختر، ص: ۱۰۱، ط إقبال اکیدمی کراچی سنة ۱۹۵۵م.
(۵۸) فکر إقبال خلیفة عبدالحکیم، ص: ۶
(۵۹) روائع إقبال لابی الحسن علی ندوی، ص: ۴۷–۴۹ ط :مجلس نشریات إسلام. ناظم آباد. کراچی

❁.....❁.....❁